رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۱۷۹

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ

عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محمودا

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

(یعنی)

ریویو آف ریلیجنز اردو رسالہ

ایڈیٹر قاضی محمد ظہور الدین اکمل

نمبر ۶ | جون سنہ ۱۹۲۴ء مطابق شوال المعظم سنہ ۱۳۴۲ھ | جلد ۲۳

چندہ سالانہ ہندوستان میں تین روپے
ممالک غیر سے ...

بصیغۂ طلباء اور ... عہدیداران ...

فہرست مضامین

پیغام صلح موجودہ مشکلات کا صحیح حل	۲۳۸ ۲۶۹	تقریر حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہٖ (مرتبہ منشی غلام نبی صاحب ایڈیٹر الفضل)
المقتبسات والملتقطات	۲۷۰ ۲۷۷	اکمل
معجزہ شراب	۲۷۸ ۲۸۱	مولانا محمد الدین صاحب ایم۔اے مبلغ امریکہ
تعلیم باب و بہاء اللہ شمّہ از حدیث بخارا	۲۸۱ ۲۸۵	اکمل

مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں باہتمام شیخ عبد الرحمٰن صاحب قادیانی پرنٹر و پبلشر چھپکر شائع ہوا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

پیغام صلح

موجودہ مشکلات کا صحیح حل

(یعنی)

ہندو مسلمانوں میں کیونکر اتحاد ہو سکتا ہے

"حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی پبلک تقریر جو حضور نے ۱۴۔ نومبر ۱۹۲۳ء ہندو مسلمانوں کے ایک بہت بڑے مجمع میں بریڈلا ہال لاہور میں فرمائی"

مسلمان موجودہ مشکلات میں ناامید نہیں نمبر ۱

سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا۔ گو ہمارے ملک کی اس وقت جو حالت ہے۔ اور جس قسم کے فتنے اور فساد اس میں پیدا ہو رہے ہیں۔ وہ ہر ایسے شخص کو جس کے دل میں اپنے ملک اور اپنے وطن سے ذرا بھی الفت اور محبت ہو سکتی ہے۔ متفکر کرنے کے لئے کافی ہیں لیکن میں ایک ایسے مذہب سے تعلق رکھتا ہوں۔ جس نے اپنی ابتدا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے شروع کر کے امید کا ولولہ پیدا کر دیا ہے۔ اور میں اس کتاب سے مذہبی تعلق رکھتا ہوں۔ جس نے مسلمانوں کو یہ کہکر کہ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وہ انجام پر بھی خدا تعالیٰ کی حمد ہی کہنے والے ہونگے۔ میرے دل میں امید کی کبھی نہ ختم ہونے والی لہر پیدا کر دی ہے۔ اس لئے گو موجودہ حالات نہایت ہی تاریک ہیں۔ مگر میں امید سے بھرا ہوا دل رکھتا ہوا یقین رکھتا ہوں۔ کہ اگر آج نہیں۔ تو کل ملک میں امن ہو جائیگا۔ اور اگر اس وقت نہیں۔ تو پھر دوسرے وقت میں لوگ فتنہ

وفساد ناانفاقی اور بے اتحادی کی راہ چھوڑ کر صلح اور آشتی کی طرف آجائیں گے۔

پیش آمدہ مشکلات کا حل

میرا آج کا لیکچر جیسا کہ اس اشتہار سے ظاہر ہے جو اس لیکچر کے متعلق شائع ہوا۔ اس امر پر ہے۔ کہ ہمارے ملک میں موجودہ مشکلات جو اتحاد و اتفاق کے متعلق پیدا ہو گئی ہیں۔ اور وہ روکیں جو صلح و آشتی میں رونما ہیں۔ وہ کس طرح دور ہو سکتی ہیں۔ اور ان کا حل کیا ہے۔ اور ہندوستان کی مختلف قوموں میں کس طرح صلح اور اتحاد ہو سکتا ہے۔ اور اس کے متعلق مسلمانوں کا کیا فرض ہے۔

مضمون کا تعلق تمام قوموں سے

میں سمجھتا ہوں یہ ایسا مضمون ہے۔ جو ان تمام جماعتوں سے تعلق رکھتا ہے۔ جو ہندوستان میں رہتی ہیں۔ یعنی اس کا تعلق ہندوؤں۔ سکھوں۔ مسلمانوں وغیرہ سب سے ہے۔ اور پھر یہی نہیں۔ میں ان جماعتوں میں گورنمنٹ کو بھی شامل کرتا ہوں۔ کیونکہ وہ بھی ایک جماعت ہے۔ جس کا ہمارے ملک کے نفع و نقصان سے تعلق ہے۔ ہمارے نقصان کے ساتھ اس کا نقصان وابستہ ہے اور ہمارے نفع کے ساتھ اس کا نفع وابستہ ہے۔

مذہبی نقطۂ خیال

چونکہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں۔ جو سیاسی معاملات میں اپنا سارا وقت صرف کرتے ہیں بلکہ میرا وقت مذہبی معاملات میں صرف ہوتا ہے۔ اس لئے میں اس بارے میں وہی نقطۂ پیش کروں گا۔ جو مذہب سے تعلق رکھتا ہے۔

فتنے سے بچو کہ وہ قتل سے بھی بڑھ کر ہے

سب سے پہلے میں سامعین کی توجہ اس طرف پھیرنا چاہتا ہوں۔ کہ سب سے زیادہ فتنہ کا باعث افراد کے وہ معاملات ہوتے ہیں۔ جنہیں قومی سمجھ لیا جاتا ہے۔ حالانکہ افراد کے معاملات ایسے نہیں ہوتے۔ جیسے قومی معاملات ہوتے ہیں۔ افراد کے معاملات کو قومی بنا لینے کی وجہ سے فتنہ پرداز لوگوں کو موقع ملتا ہے۔ کہ قوموں میں فتنہ اور فساد پیدا کر دیں۔ اور اتحاد و اتفاق نہ ہونے دیں یہی وجہ ہے۔ کہ قرآن کریم کہتا ہے الفتنۃ اشدّ من القتل۔ قتل بہت برا فعل سمجھا جاتا ہے۔ اور قاتل کو لوگ نہایت بری نظر سے دیکھتے ہیں۔ مگر ہماری کتاب بتاتی ہے۔ کہ بیشک قاتل بہت برا ہوتا ہے۔ اور قتل بہت برا فعل ہے۔ مگر فتنہ بہت ہی برا فعل ہے۔ اور اس کا ارتکاب کرنے والا بہت ہی برا ہوتا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس سے لاکھوں اور اربوں جانیں چلی جاتی ہیں۔ لیکن قتل سے ایک یا چند جانیں ضائع ہوتی ہیں۔ ایک فتنہ پرداز شخص ایسی بات کر دیتا ہے۔ کہ جس سے قومیں لڑ پڑتی ہیں۔ اور جماعتوں میں تفرقہ اور شقاق پیدا ہو جاتا ہے۔ فتنہ باز لوگ کہتے ہیں۔ کہ ہم نے تو معمولی بات کہی تھی۔ مگر ان کا معمولی بات کہنا ایک زہر ہے۔ جس کا دور دور تک اثر پھیلتا ہے۔ اور پھر اس سے خطرناک قتل شروع ہو جاتا ہے۔ جس سے لاکھوں اور کروڑوں انسان موت کے

گھاٹ اتر جاتے ہیں۔ تو فتنہ شروع میں چھوٹا نظر آتا ہے۔ مگر اس کا انجام بہت بڑا ہوتا ہے۔ اسی لئے اسلام نے فتل سے بھی منع کیا ہے۔ مگر فتنہ سے اس سے بھی زیادہ زور کے ساتھ منع کیا ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ عام طور پر لوگ قتل سے تو بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر فتنہ سے بچنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اگر ان کے سامنے کسی قتل کا ذکر کریں۔ تو وہ کانپ اٹھینگے۔ افسوس کہ لوگ اس قدر بگڑ گئے ہیں۔ کہ اپنے بھائیوں کو قتل کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ مگر خود فتنہ کے لئے تیار ہو جائینگے۔ اور نہ صرف تیار ہونگے۔ بلکہ فتنہ کھڑا کر دینگے۔ اس لئے ضرورت ہے۔ کہ لوگوں کو فتنہ کی مضرت اور نقصان سے آگاہ کیا جائے۔ کیونکہ جب لوگ یہ نہ سمجھیں۔ کہ فتنہ قتل سے بھی بڑھ کر بڑا فعل ہے۔ اس وقت تک امن نہیں ہو سکتا *

ملک کی موجودہ حالت

آج ہمارے ملک کی ایسی حالت اور ایسا رنگ نظر آ رہا ہے۔ کہ کوئی دو جماعتیں آپس میں محبت کرتی ہوئی نظر نہیں آتیں۔ آج سے پہلے محبت کی ایک لہر تھی۔ جو ملک میں پھیلی ہوئی تھی۔ مسلمان ہندوؤں کو بھائی سمجھتے تھے۔ اور ہندو مسلمانوں کو بھائی کہتے تھے۔ سکھ دونوں کو بھائی قرار دیتے تھے۔ مگر آج یہ حالت ہے۔ کہ ہر قوم دوسرے کے خلاف کھڑی ہے۔ اور ایک قوم دوسری کی دشمن بنی ہوئی ہے جس سے ملک کی ترقی بہت پیچھے جا پڑی ہے *

فتنہ پرداز کون ہیں

کچھ لوگ ہمارے متعلق خیال کرتے ہیں۔ کہ ہم فتنہ کا موجب ہیں۔ اور ہم اتحاد و اتفاق میں رخنہ اندازی کرتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ ہم سے زیادہ فتنہ کا کوئی دشمن نہیں ہے۔ اور ہمارے دل سے فتنہ سے زیادہ کوئی چیز دور نہیں ہے۔ ہم جس چیز کو برا سمجھتے ہیں۔ وہ وہ ہے جس کے نتیجہ میں فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ ورنہ جس امر کے متعلق ہم یہ سمجھتے ہیں۔ کہ اپنے ملک اور اپنے وطن کے لئے مفید ہے۔ اس کے لئے ہر قسم کی قربانیاں کرنے اور ہر طرح کی تکالیف اٹھانے کے لئے لبیک کہنے کو ہم تیار ہیں *

ہماری باہمی مخالفت سے غیر فائدہ اٹھا رہے ہیں

یہ فتنہ جو اس وقت ملک میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کا کیا نتیجہ ہوا ہے۔ یہ کہ دشمن ہم پر ہنس رہے ہیں۔ اور وہ جو ہمیں قدر کی نگاہ سے دیکھنے لگے تھے۔ وہ نفرت اور حقارت سے دیکھ رہے ہیں۔ اگر قومی جذبہ کوئی چیز نہ بھی ہو۔ تو اس حقارت اور نفرت کو ہی دیکھ کر ہر ایک شخص کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہونا چاہیئے۔ کہ فتنہ مٹ جائے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ اس طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔ اور یہ نہیں دیکھا جاتا۔ کہ یہ فتنہ کیوں پیدا ہوا ہے۔ وہ کیا اسباب ہیں۔ جو اس کے پیدا ہونے میں کام کر رہے ہیں۔ اور کس طرح یہ مٹ سکتا ہے۔ ان باتوں کی طرف توجہ نہ کرنے کا یہ نتیجہ ہو رہا ہے۔ کہ جو ذرائع اختیار کئے جا رہے ہیں۔ وہ چونکہ ایسے نہیں ہیں۔

جو فتنہ کو مٹانے کا موجب ہوں۔ اس لئے فتنہ بڑھتا جا رہا ہے۔ اور دیکھا گیا ہے۔ کہ اس فتنہ کے اوقات میں بہت سی قومیں ہیں۔ جو ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ چنانچہ مردم شماری کے وقت جو کچھ ہوا ہے۔ اگر اور حالات ہوتے۔ تو اس کے متعلق ایک شور پڑ جاتا۔ مگر آپس کی ناچاقی اور نااتفاقی کی وجہ سے کسی کو اس کا خیال بھی نہیں آیا۔ ادنیٰ اقوام پہلے یا تو علیحدہ دکھائی جاتی تھیں۔ یا ہندوؤں میں شمار کی جاتی تھیں۔ یہ بھی غلطی تھی۔ کہ ان کو ہندوؤں میں شامل کیا جاتا تھا۔ کیونکہ ان کا مذہب علیحدہ ہے۔ اور ان کو علیحدہ ہی دکھانا چاہیئے تھا۔ مگر گذشتہ مردم شماری میں ادنیٰ اقوام ساری کی ساری عیسائیوں میں دکھائی گئی ہیں۔ اور سارے پنجاب میں صرف چند ایک ادنیٰ اقوام کے لوگ بتائے گئے ہیں۔ حالانکہ اڑھائی سو کے قریب چوڑھے قادیان میں ہی ہیں۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ اور جگہوں میں بھی کس قدر ہونگے۔ مگر کچھ لوگوں نے اپنے ذاتی فوائد (کونسلوں میں انتخاب وغیرہ) کے لئے ان کو اپنے میں شامل کر لیا ہے۔ پس اس قسم کے شور و شر میں جو ہندو مسلمانوں میں برپا ہے۔ دوسرے لوگ ایسے فائدے حاصل کر لیتے ہیں؛

اس عدم اتحاد کا ذمہ وار مذہب نہیں

غرض اس وقت ملک کا امن بالکل برباد ہو چکا ہے۔ بھائی بھائی سے لڑ رہا ہے۔ اور وہ لوگ جن کو ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ملک اور قوم کی ترقی کے لئے کوشش کرنی چاہیئے تھی۔ اور آپس میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ اس کی وجہ مذہبی اختلافات نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ مذہبی اختلافات کا تو یہ مطلب ہے۔ کہ ایک مذہب والے خدا تک پہنچنے کا اور طریق سمجھتے ہیں۔ اور دوسرے مذہب والے اور۔ اگر خدا ہے۔ اور یقیناً ہے۔ تو ممکن نہیں۔ کہ خدا ایسا کرنے سے خوش ہو۔ کہ ایک مذہب والے دوسرے مذہب والوں کو مارتے اور انکے گلے کاٹتے پھریں۔ اگر خدا ہے۔ اور میں یقین ہی سے نہیں بلکہ اپنے مشاہدہ سے کہتا ہوں۔ کہ ہے۔ تو اس کا یہ منشاء ہے۔ کہ تمام انسان ایک دوسرے سے بھائی بھائی جیسا سلوک کریں۔ اور بھائی بھائی جیسا تعلق رکھیں۔ میں یہ نہیں کہتا۔ کہ خدا تعالیٰ کا منشاء اس سے زیادہ گہرا تعلق رکھنے کا نہیں۔ بلکہ یہ تو میں نے بطور مثال کہا ہے۔ ورنہ خدا تعالیٰ تو چاہتا ہے۔ کہ اس سے بھی بڑھ کر ایک دوسرے سے محبت کریں؛

اسلام کی تعلیم آپس کے سلوک کے متعلق

قرآن کریم نے صاف طور پر بتا دیا ہے۔ کہ مذہبی اختلاف کی وجہ سے آپس کے تعلقات اور سلوک میں کوئی فرق نہیں آنا چاہیئے۔ چنانچہ آتا ہے:۔ ووصّینا الانسان بوالدیہ حسنا وان جاھدٰک لتشرک بی مالیس لک بہ علم فلا تطعھما

الیّٰ ثم مرجعکم فانبئکم بما کنتم تعملون (۲۹ - ۷) خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے مسلمان اگر تیرے ماں باپ مشرک ہوں۔ تو تجھے یہ نہیں چاہیئے۔ کہ اپنے ماں باپ کو چھوڑ دے۔ ان سے کوئی سلوک نہ کرے۔ ان سے ہر طرح کا اچھا سلوک کر۔ اور ان کے احکام کی اطاعت کر۔ ہاں شرک کے معاملہ میں ان کی بات نہ ماننا۔ کیونکہ تیری عقل نے اس بارے میں اور فیصلہ کیا ہے۔ اور ان کی عقل نے اور۔ مگر دنیاوی معاملات میں تیرا فرض ہے۔ کہ تو ان سے نیک سلوک کرے۔

تو شرک جس کو اسلام نے بدترین گناہ قرار دیا ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے بھی کہا ہے۔ کہ اگر تیرے ماں باپ مشرک ہوں۔ تو بھی ان سے تعلق منقطع نہ کر۔ بلکہ ان سے حُسن سلوک اور اچھے تعلقات رکھ۔

یہ تو قرآن کریم کا حکم ہے۔ اب ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق دیکھتے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ کی لڑکی کے پاس جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی کی بہن تھیں۔ انکی والدہ آئی۔ انہوں نے رسول کریمؐ سے پوچھا۔ کہ میری ماں آئی ہے۔ اور چاہتی ہے۔ کہ میں اس سے کچھ سلوک کروں۔ مگر وہ کافرہ ہے۔ کیا میں اس سے سلوک کر سکتی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا:-

"ہاں کر۔ یہ دنیاوی معاملہ ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے"

پھر حضرت عمرؓ جیسے انسان جن کے متعلق مسلمان بھی سمجھتے ہیں۔ کہ خشونت والے تھے۔ اور اپنی پہلی حالت میں تلوار لیکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے متعلق آتا ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ایک جبہ دیا۔ جو ریشمی تھا۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہؐ میں نے ایک دفعہ آپؐ کو ریشمی جبہ دیا تھا۔ مگر آپؐ نے اس کو پسند نہ فرمایا تھا۔ اب مجھے آپؐ نے ریشمی جبہ دیا ہے۔ کیا میں اس کو پہن لوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ میں نے پہننے کے لئے نہیں دیا۔ کسی کو تحفۃً دیدو۔ یا بیچ ڈالو۔ اس پر انہوں نے اپنے اس بھائی کو جو مکہ میں رہتا تھا۔ اور کافر تھا۔ دے دیا۔

مذہب دنیاوی معاملات میں مانع اتحاد نہیں

اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مذہبی اختلاف کی وجہ سے تعلقات اور سلوک منقطع نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اس لڑائی کے زمانہ میں کافر رشتہ داروں سے سلوک کئے جاتے تھے۔ پس مسلمانوں کی طرف سے یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ چونکہ ہمیں مسلمانوں سے مذہبی اختلاف ہے۔ اس لئے ہم ان سے دنیاوی معاملات کے متعلق اتفاق نہیں رکھ سکتے۔ اور اس بارے میں ہماری ان سے صلح نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ کوئی مذہب بھی یہ نہیں کہیگا۔ کہ دنیاوی معاملات

میں دوسرے مذاہب کے لوگوں سے اتحاد نہ کرو۔ بلکہ ان سے لڑتے جھگڑتے رہو۔ یہ بات فطرت صحیحہ
کے خلاف ہے۔ جو مذہب یہ تعلیم دیگا۔ اس کو لوگ چھوڑ دینگے۔ مگر اس کی یہ بات نہ مانینگے ؂

ہندو مسلمانوں میں کیوں اتحاد قائم نہیں رہتا

پس جبکہ مذہبی اختلاف دنیاوی معاملات میں اتحاد کے خلاف نہیں۔ اور نہ روک ہے
تو سوال ہوتا ہے۔ کہ پھر کیوں ہندوؤں مسلمانوں میں فساد ہے۔ ایک طرف تو دنیاوی
ضروریات ان کو مجبور کرتی ہیں۔ کہ آپس میں اتفاق و اتحاد رکھیں۔ اور مل کر رہیں۔ اور دوسری طرف
ہر ایک مذہب یہ کہتا ہے۔ کہ ایک دوسرے کے بھائی بن کر رہو۔ تو کیوں ان میں فساد ہوتے ہیں۔ اور
کیوں ان کا اتحاد قائم نہیں رہتا۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ ہندو مسلمانوں میں جو اتحاد اور صلح ہوئی تھی۔
وہ ایسی بنیاد پر نہ تھی۔ جو ہمیشہ قائم رہتی۔ بلکہ وقتی ضرورتوں اور جوشوں سے فائدہ اٹھا کر صلح کی گئی
تھی۔ اور جو کام اس طرح کیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ ہمیشہ خراب نکلتا ہے۔ ایسا ہی اس صلح کے متعلق ہوا۔
جب لوگوں میں جوش نہ رہا۔ تو صلح بھی نہ رہی۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا۔ اور صلح کسی مضبوط بنیاد پر کیجاتی۔
تو یہ صلح کم از کم اتنے وقت تک تو چلتی۔ جتنے وقت دنیا میں صلح چلا کرتی ہے۔ بھائی بھائی میں صلح
ہوتی ہے۔ اور ٹوٹ بھی جاتی ہے۔ تو میں آپس میں صلح کرتی ہیں۔ اور پھر لڑائی بھی کرتی ہیں۔ مگر ان
کی صلح اتنی جلدی نہیں ٹوٹتی۔ جتنی جلدی ہندو مسلمانوں کی صلح ٹوٹی۔ دیکھو مرنے کو تو ہر ایک انسان
مر جاتا ہے۔ لیکن جب کوئی جوانی کی عمر میں مرتا ہے۔ تو اس کے متعلق بہت زیادہ افسوس کیا جاتا
ہے۔ اسی طرح اگر ہندو مسلمانوں کی صلح اپنا وقت گذار کر ٹوٹتی۔ تو اتنا افسوس نہ ہوتا۔ لیکن چونکہ یہ
قبل از وقت ٹوٹ گئی۔ اس لئے زیادہ افسوس کے قابل ہے

صلح ٹوٹنے کی وجہ اوّل

اور اس کے ٹوٹنے کی وجہ یہی ہے۔ کہ اس کی بنیاد وقتی جوش پر تھی۔ اور جوش نہ
رہنے پر اسی طرح گر گئی۔ جس طرح اگر ایک بیمار آدمی کو عظیم الشان خوشخبری سنائی جائے۔ تو پہلے اگر وہ
دوسروں کے سہارے کھڑا ہوتا ہو۔ تو اس وقت خود بخود کھڑا ہو جائیگا۔ مگر اس کے بعد اس کو
پہلے سے بھی زیادہ کمزوری محسوس ہوگی۔ اسی طرح وقتی جوش کی وجہ سے ہندو مسلمان اکٹھے ہو گئے
مگر پھر ایک دوسرے سے لڑنے لگ گئے۔ اور پہلے سے بھی زیادہ لڑنے لگ گئے ؂

صلح قائم نہ رہنے کی ایک اور وجہ

پھر اس صلح کے قائم نہ رہنے کی ایک اور وجہ بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ لوگوں کی نیتیں
درست نہ تھیں۔ کچھ عرصہ ہوا۔ اسی جگہ میں نے ایک لیکچر دیتے ہوئے بیان کیا
تھا کہ جب نیتیں نیک نہ ہوں۔ اس وقت تک صلح نہیں ہو سکتی۔ اور اگر ہو جائے۔ تو قائم نہیں رہ
سکتی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس کے متعلق میں صرف مسلمانوں پہ الزام نہیں لگاتا۔ اور اسی طرح

صرف ہندوؤں پر بھی الزام نہیں لگاتا۔ میرے نزدیک دونو پر یہ الزام لگتا ہے۔ چونکہ ہمیں ان معاملات سے الگ سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے ہم سے دونو جماعتوں کے لوگ تعلق رکھتے ہیں۔ اور دونو جماعتوں کے لوگ ملتے ہیں۔ جنہوں نے اصل حقیقت بتا دی۔ اس لئے میں دونو کے متعلق کہتا ہوں۔ کہ ان کی نیتیں درست نہ تھیں۔ ہم سے ایسے ہندو ملے۔ جنہوں نے کہا۔ کہ مسلمان بیرونی ممالک کے مسلمانوں پر اپنی طاقت کا انحصار رکھتے ہیں۔ مگر سوراجیہ مل لینے دو۔ ہم ان کی خبر لے لینگے۔ اسی طرح ہم سے ایسے مسلمان ملے۔ جنہوں نے کہا ہندوؤں کو اپنی کثرت کا گھمنڈ ہے۔ مگر انگریزوں کو نکل جانے دو۔ پھر ہم ان کو سیدھا کر دینگے۔ پس دونو کی نیتیں درست نہ تھیں۔ اور صلح چونکہ نیتوں کی صفائی کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اس لئے نہ ہوئی۔

صلح کی تین قائم ہونے والی بنیادیں

اب میں وہ بنیادیں بیان کرتا ہوں۔ جن پر صلح رکھی گئی تھی۔ وہ تین ہیں (۱) یہ کہ سوراج قلیل عرصہ میں مل جائیگا۔ (۲) خلافت ٹرکی کی قائم ہو جائیگی۔ (۳) مذہبی اختلافات کو درمیان سے مٹا دینے کی کوشش۔ اور یہ تجویز۔ کہ ان اختلافات کو بالکل مٹا دو۔ اور کبھی یاد ہی نہ کرو۔ کہ ہندو مسلمانوں میں کوئی مذہبی اختلاف ہے۔

ان میں سے دو پہلی باتیں تو بطور مقصد کے تھیں۔ اور تیسری ذریعہ کے طور پر۔ مگر تینوں ایسی تھیں۔ کہ یا تو خاص وقت سے تعلق رکھتی تھیں۔ یا ایسی غلط بنیاد پر تھیں۔ کہ قائم نہ رہ سکتی تھیں۔

سوراج ایک سال کے اندر ناممکن تھا

مثلاً یہ کہنا کہ سوراج ایک سال کے اندر اندر مل جائیگا۔ اس کا کوئی یقین ہی نہیں کر سکتا تھا۔ سوائے ان لوگوں کے جو سیاسیات میں دخل نہیں رکھتے تھے۔ ان ایام میں کئی جوشیلے طالب علموں نے مجھ سے پوچھا۔ کہ ایک سال میں سوراج مل جانا کیوں ناممکن ہے۔ اسوقت ان کو سمجھانا مشکل تھا۔ مگر میں دیکھتا تھا کہ یہ بات غلط ہے۔ اور ضرور غلط ثابت ہوگی۔ جرمنی کی حکومت کئی سلطنتیں مل کر مٹانا چاہتی تھیں۔ اور اس کے لئے پانچ سال صرف ہوئے۔ اور پھر بھی اس کے سارے ملک پر اتحادی قبضہ نہ کر سکے۔ جب وہ حکومت نہ مٹ سکی۔ تو کس طرح ممکن تھا۔ کہ ایسی حکومت جس نے جرمنی پر فتح حاصل کی۔ اس کو ایک سال میں ہندوستانی ہندوستان سے نکال دیں۔ پھر کیوں یہ کہا گیا۔ کہ ایک سال میں سوراجیہ حاصل ہو جائیگا۔ بات یہ ہے۔ کہ لمبے وعدہ پر لوگ کام کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں۔ کہ اتنے سال کون قربانی کرے۔ مگر ایک آدھ سال کے لئے اگر کہا جائے۔ تو زمیندار بھی کہہ دیتے ہیں۔ کہ چلو اس سال کھیتی نہ کی۔ تو نہ سہی۔ اور جو کہا جائے ماننے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے سوراج کے حصول کے لئے ایک سال کا عرصہ رکھا

گیا جس کا نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ لوگوں میں بڑا جوش پیدا ہو گیا۔ اور انہوں نے اس قدر قربانیاں کیں۔ جو اس سے پہلے کبھی نہ کی تھیں۔ مگر جب سال ختم ہو گیا۔ اور سوراجیہ نہ ملا۔ تو ان میں مایوسی پیدا ہو گئی۔ اس وقت کہا گیا۔ کہ سوراجیہ کے لئے کچھ شرطیں تھیں۔ جن کو پورا نہیں کیا گیا۔ اس لئے وہ حاصل نہیں ہُوا۔ اگرچہ جب اعلان کیا گیا تھا۔ اس وقت کوئی شرطیں نہ لگائی گئی تھیں بعد میں لگائی گئیں۔ مگر لگائی گئیں۔ اس وقت بھی ۹۰ فیصدی لوگ یہی سمجھتے رہے۔ کہ کوئی شرط نہیں ہے۔ اور جو شرطیں لگائی گئی تھیں۔ وہ ایسی تھیں۔ کہ خود شرطیں لگانے والے بھی یہی سمجھتے تھے۔ کہ وہ اتنے قلیل عرصہ میں ہرگز پوری نہیں ہو سکینگی۔ مثلاً کہا گیا۔ کہ اگر سارا ملک تیار ہو جائے۔ تو سوراجیہ مل جائیگا۔ مگر یہ ایسی شرط تھی۔ جو کبھی پوری نہ ہو سکتی تھی۔ اتنے تھوڑے عرصہ میں تو سلطنتیں بھی کسی ملک کے سارے لوگوں کو ایک کام کے لئے تیار نہیں کر سکتیں۔ پھر یہ لوگ کس طرح کر سکتے تھے۔ انگریز پانچ سال کے عرصہ میں اپنے ملک کے صرف ایک حصہ کو جبری بھرتی کے لئے تیار کر سکے پھر سوراجیہ حاصل کرنے والے سارے ہندوستان کو اتنے عرصہ میں کس طرح تیار کر سکتے تھے۔ مگر یہ جانتے ہوئے انہوں نے لوگوں سے کہا۔ کہ ایک سال میں سوراجیہ حاصل ہو جائیگا۔ یہ محض لوگوں میں جوش پیدا کرنے کے لئے تھا ؞

خلافت کا مسئلہ دوسرا مسئلہ خلافت کا مسئلہ تھا۔ اس سے لوگوں میں جوش پیدا کیا گیا۔ اور اس سے خوش کرنے میں بہت مدد بھی ملی۔ اس کے متعلق مَیں آگے چل کر بیان کرونگا ؞

ہم پہلے ہندوستانی پھر ہندو یا مُسلم ہیں ایک خوش کن مگر بے معنی اور مضر فقرہ ہے۔

تیسرا مسئلہ اختلاف کا تھا۔ جس کے متعلق کہا گیا۔ کہ مذہبی اختلافات کو مٹا دینا چاہیئے۔ اور کہا گیا۔ کہ پہلے ہم ہندوستانی ہیں۔ اور پھر ہندو یا مسلمان۔ اس لئے مذہبی اختلاف کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ مَیں پہلے یہ بیان کر چکا ہوں۔ کہ باوجود مذہبی اختلاف کے صلح اور اتحاد ہو سکتا ہے۔ اور مذہب صلح میں روک نہیں ہو سکتا۔ مگر اس میں شبہ نہیں۔ کہ مذہب کی وجہ سے ایسے فساد پیدا ہوتے ہیں کہ جن کو دُور کئے بغیر صلح نہیں ہو سکتی۔ مگر کہا گیا۔ کہ ان باتوں کو بالکل بھول جاؤ۔ کیونکہ ہم لوگ پہلے ہندوستانی اور پھر ہندو یا مسلمان ہیں۔ لیکن یہ فقرہ ایسا تھا۔ جس کا مطلب کوئی نہ سمجھ سکتا تھا۔ اور سیاسی قسم کے فقروں کی طرح تھا۔ جو بظاہر خوشنما نظر آتے ہیں۔ لیکن عملاً ان کی کچھ حقیقت نہیں ہوتی۔ جیسے انجیل کا یہ فقرہ ہے۔ کہ اگر کوئی دہنی گال پر طمانچہ مارے۔ تو دوسری بھی اسکی طرف پھیر دے۔ یہ بڑا خوشنما فقرہ ہے۔ مگر اس پر کوئی عمل نہیں کر سکیگا۔ مصر کے متعلق ایک لطیفہ مشہور

ہے۔ کہ کوئی پادری کھڑا وعظ کر رہا تھا۔ اور اپنے وعظ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دے رہا تھا۔ اس پر ایک مسلمان کو غصہ آیا۔ اور اس نے آگے بڑھکر پادری کے مُنہ پر ایک تھپڑ مارا۔ پادری نے کہا۔ کیا یہی اسلامی تعلیم ہے۔ اور اسے مارنے لگا۔ مسلمان نے کہا۔ اس وقت مَیں نے انجیل کی تعلیم پر عمل کیا ہے۔ آپ کو چاہیئے۔ کہ دوسرا گال بھی میری طرف کر دیں۔ تاکہ مَیں اس پر بھی تھپڑ ماروں۔ ہم۔ مَیں تمہاری تعلیم پر عمل کرونگا۔ اور اس کا بدلہ لونگا۔ انجیل کی تعلیم پر عمل نہیں کرونگا۔ اور دنیا میں ایسے مواقع آتے ہیں۔ جبکہ سزا دینی ضروری ہوتی ہے۔ اور اسلام کی یہی تعلیم ہے۔ لیکن بظاہر انجیل کا یہ فقرہ بڑا خوشنما لگتا ہے۔ جس پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح یہ فقرہ تھا۔ جو بڑی کثرت سے استعمال کیا جاتا تھا۔ کہ ہم پہلے ہندوستانی ہیں۔ اور پھر ہندو یا مسلمان۔ مگر اس کا مطلب کیا تھا۔ کیا یہ کہ پہلے ہندوستان نے پیدا کیا۔ اور پھر ہندو یا مسلمان بنا۔ مگر یہ غلط ہے۔ اور وقت کے لحاظ سے یہ فقرہ درست نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مذہب کا تعلق خدا سے ہوتا ہے۔ اور خدا پہلے پیدا کر دیتا ہے۔ پھر ملک سے تعلق پیدا ہوتا ہے۔ باقی رہی فضیلت۔ کہ یہ کہنے والا کہتا ہے۔ مَیں مذہب کو ادنیٰ سمجھتا ہوں۔ اور ہندوستانیت کو اعلیٰ یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ مذہب کے مقابلہ میں وطنیت کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ ہندو اگر یہ فقرہ کہتے تھے۔ تو اور بات ہے۔ مگر مجھے مسلمانوں پر حیرت آتی تھی۔ کہ وہ کس طرح یہ کہہ سکتے ہیں۔ اگر سوال درجہ کا ہے۔ کہ کس کو قبول کرو۔ تو یہ صاف بات ہے۔ کہ مذہب پر ملک کو ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ اور اگر کوئی کہتا ہے۔ کہ مذہب ملک کی محبت میں روک ہے۔ تو یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کوئی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ میں ہندوستانی پہلے ہوں۔ اور پھر مسلمان۔ اور اگر کوئی یہ کہتا ہے۔ تو وہ مذہب پر ملک کو ترجیح دیتا ہے۔ اور اگر یہ کہتا ہے۔ کہ مذہب وہاں ختم ہو جاتا ہے۔ اور آگے وطنیت شروع ہوتی ہے۔ تو یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ مذہب کہتا ہے۔ کہ نہ مَیں یہاں ختم ہوتا ہوں۔ اور نہ وہاں۔ اس لئے یہی کہا جا سکتا ہے۔ کہ مَیں مسلمان ہندوستانی ہوں۔ کیونکہ اسلام کہتا ہے۔ کہ حبّ الوطن من الایمان۔ کہ وطن کی محبت ایمان میں داخل ہے۔ ایسی اعلیٰ تعلیم کے ہوتے ہوئے کسی اور فقرہ کے ایجاد کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ جب بانیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔ کہ وطن سے محبت کرنا اسلام میں داخل ہے۔ تو کوئی مسلمان مسلمان نہیں ہو سکتا۔ جب تک اپنے وطن کی محبت اس کے دل میں نہ ہو۔ پس مَیں اگر وطن کے لئے کوئی قربانی کرنا چاہتا ہوں۔ تو مجھے کسی بے معنی فقرہ کے ایجاد کی ضرورت نہیں۔ مَیں

پہلے بھی بیچ بھی اور بعد میں بھی مسلمان ہی ہوں۔ اور اس حالت میں قربانی کرسکتا ہوں۔ پس مسلمانوں کے لئے اس فقرہ کے ایجاد کی قطعاً ضرورت نہیں تھی ٭

یہ وہ تین باتیں تھیں۔ جن پر اتحاد کی بنیاد رکھی گئی۔ اور یہ تینوں عارضی اور غیر طبعی تھیں ٭

عارضی اتحاد کے بعد اختلاف کے موجبات

اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں۔ کہ اس اتحاد کے اختلاف کا موجب کیا ہوا۔

اوّل تو یہ کہ مسئلہ خلافت کا حل عجیب طرح ہوگیا۔ خدا تعالیٰ نے ترکوں کو یونانیوں پر فتح دی۔ اور یورپین طاقتوں نے سمجھ لیا۔ کہ اگر اب ہم یونان کی طرفداری کرتے ہیں۔ تو خطرناک جنگ شروع ہوجاتی ہے۔ یہ طاقتیں چونکہ پہلے ہی جنگ سے تھکی ہوئی تھیں۔ اس لئے انہوں نے صلح کرادی۔ ادھر ترکوں نے خلیفہ کے اختیارات کا فیصلہ کردیا۔ اور کہدیا۔ کہ خلیفہ[1] کے لئے حکومت کی ضرورت نہیں۔ اس طرح اس سوال کا حل ہوگیا۔ کہ خلیفہ کے لئے سیاست ضروری ہے۔ پہلے یہ حل کسی کے خیال میں نہ تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ لوگوں میں خلافت کے متعلق جوش نہ رہا ٭

دوسری بات یہ ہوئی کہ جب مقررہ مدت میں سوراج نہ ملا۔ تو لوگ لیڈروں سے بدظن ہوگئے۔ وہ سمجھے۔ کہ ہم سے بے فائدہ قربانیاں کرائی گئی ہیں۔ اور بلاوجہ خراب کیا گیا ہے ٭

تیسری وجہ یہ ہوئی۔ کہ کانگریس میں اصولی غلطیاں پیدا ہوگئیں۔ دنیا میں دو قسم کی حکومتیں ہوتی ہیں۔ ایک شخصی اور دوسری قومی۔ یعنی جمہوری۔ ان کے سوا اور کوئی طریق حکومت ایسا نہیں ہوا۔ جس سے لمبے عرصہ تک کام چلایا گیا ہو۔ مگر کانگریس کی حکومت نہ انفرادی یعنی شخصی رہی۔ اور نہ جمہوری۔ جمہوری تو اس لئے نہ رہی۔ کہ مسٹر گاندھی کے مقابلہ میں کانگریس میں کوئی بول نہ سکتا تھا۔ جو وہ چاہتے تھے۔ وہی کانگریس سے منواتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ کانگریس جسے جمہوری سمجھا جاتا تھا۔ وہ ٹوٹ گئی۔ اور لوگ شخص کے پیچھے چل پڑے۔ اس طرح شخصی حکومت ہوگئی۔ اب شخصی حکومت میں قائم مقام کا ہونا ضروری تھا۔ جیسا کہ بادشاہ کے بعد اس کا بیٹا نامزد کیا جاتا ہے۔ اور اگر پریذیڈنٹ ہوتا ہے۔ تو اس کا بھی قائم مقام تجویز کیا جاتا ہے۔ مگر کانگریس میں گو شخصی حکومت قائم ہوگئی تھی۔ لیکن کوئی قائم مقام نہ بنایا گیا تھا۔ اور چونکہ لوگوں کو مسٹر گاندھی کی ذات سے تعلق تھا۔ اس لئے کسی اور سے ان کو ویسا تعلق نہ پیدا ہوسکا۔ اگر لوگوں کو عہدہ

---

[1] اور اب تو خلیفہ اور خلافت دونوں کو اڑا کر مطلقاً ہی فیصلہ کردیا ہے۔ (ایڈیٹر)

سے تعلق ہوتا۔ تو عہدہ کی عزت کی جاتی۔ اور جو اس عہدہ پر مقرر ہوتا۔ اس کی ویسی ہی عزت کی جاتی۔ جیسی پہلے کی۔ مثلاً جب روزولٹ امریکہ کا پریذیڈنٹ تھا۔ تو لوگ اس کی عزت کرتے تھے۔ جب وہ نہ رہا۔ اور اس کی جگہ دوسرا ہُوا۔ تو اس کی عزت کرنے لگے۔ کیونکہ ان میں عہدہ پریذیڈنٹ کی عزت تھی۔ نہ کسی کی ذاتی عزت۔ اگر مسٹر گاندھی کی عزت ڈکیٹر یا پریذیڈنٹ ہونے کی وجہ سے ہوتی۔ تو ان کی جگہ جو بھی مقرر ہوتا۔ اس کی بھی عزت کی جاتی۔ اور اس کا بھی اسی طرح حکم مانا جاتا۔ جس طرح مسٹر گاندھی کا لوگ مانتے تھے۔ لیکن چونکہ ان کی عزت ان کی ذات کی وجہ سے کی جاتی تھی۔ اس لئے نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ جب حکومت نے ان کو لوگوں سے علیحدہ کر دیا۔ تو ان کے قائم مقام کو لوگوں میں وہ عزت حاصل نہ ہوئی۔ جو ان کی تھی۔ اور ادھر کانگریس کی جمہوریت ٹوٹ چکی تھی۔ اس لئے کانگریس کی طاقت تتر بتر ہو گئی۔ اگر ان کی شخصیت نہ قائم کی جاتی۔ اور اگر شخصیت قائم کی جاتی۔ تو بطور عہدہ کے ہوتی۔ تو ان کے علیحدہ ہوتے ہی دوسرا شخص ان کی جگہ مقرر کیا جاتا۔ اور لوگ اس کو ماننے لگ جاتے۔ مگر ایسا نہ کیا گیا۔ جس کا نتیجہ خطرناک نکلا *

چوتھی بات یہ ہوئی۔ کہ جو لوگ تکالیف اُٹھاتے۔ اور مشکلات برداشت کرتے رہے تھے۔ ان کو آہستہ آہستہ مشکلات بڑی نظر آنے لگیں۔ پہلے مسلمانوں نے خیال کیا۔ کہ ہم سب کچھ قربان کر دینگے۔ لیکن جب وقتی جوش ختم ہو گیا۔ تو یہ کہنے لگے۔ کہ ہم کو بھی حقوق ملنے چاہئیں۔ اور یہ ٹھیک نہیں کہ ہمارے حقوق دوسروں کے قبضہ میں ہوں۔ یہ بات ہندوؤں کو شاق گذری۔ اور اس پر فتنہ پیدا ہو گیا *

پانچویں بات یہ ہوئی۔ کہ ایام شورش میں ہندوؤں کو جو عظمت حاصل ہو چکی تھی۔ اس سے ان میں سے بعض نے ناجائز فائدہ اُٹھانا شروع کر دیا۔ میں یہ بعض ہندوؤں کے متعلق کہہ رہا ہوں۔ اس سے ہندو بھی ناراض ہونگے۔ اور مسلمان بھی۔ ہندو تو اس لئے کہ بعض بھی کیوں کہا گیا ہے۔ اور مسلمان اس لئے کہ سارے کیوں نہیں کہا۔ مگر میں ان میں سے کسی کے خیال کی بھی پیروی کرونگا۔ تو وہ جھوٹ ہوگا۔ اصل بات یہی ہے۔ کہ بعض ہندو ایسے تھے۔ نہ کہ سارے *

ہندوؤں نے ناجائز فائدے اُٹھائے

پس ان بعض ہندوؤں نے اس موقع پر ناجائز فائدہ اُٹھایا۔ مسٹر گاندھی چونکہ ہندوؤں میں سے تھے۔ اور ان کی عظمت مسلمانوں میں قائم ہو چکی تھی۔ اس لئے بعض ہندوؤں نے ان کو ہندو مذہب کی صداقت کے طور پر مسلمانوں کے سامنے پیش کیا۔ اور اس طرح مسلمانوں کو ہندو بنانے لگے۔ جب مسلمانوں نے دیکھا۔ کہ ان کا دین بھی ہاتھ سے چلا۔ تو وہ برخلاف کھڑے ہو گئے *

دوسری بات ہندوؤں کی مذہبی بے صبری تھی۔ جب ہندوؤں نے دیکھا۔ کہ وہ مسلمانوں سے بعض شرائط منوانا چاہتے ہیں۔ جنہیں وہ نہیں مانتے۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ سب مسلمانوں کو ہندو بنا لینا چاہیئے۔ تاکہ کوئی مسلمان نہ رہے ؞

تیسری بات ہندوؤں کے لئے یہ ہو گئی۔ کہ مسلمانوں نے علماء کی جو مجلس قائم کی تھی۔ اس کے اختیارات سے ہندوؤں کو خطرہ پیدا ہو گیا۔ انہوں نے سمجھا۔ کہ کانگریس کے سارے اختیارات اس کے ہاتھ میں چلے گئے ہیں۔ اور وہ ہمارے حلقہ اثر سے باہر ہے ؞

مسلمانوں کو مٹا دینے کی تجویز

ان باتوں کو مدِّ نظر رکھ کر جب ہندوؤں نے دیکھا۔ کہ لوگ ایسی قربانیاں روز روز نہیں کر سکتے۔ اور جب انہوں نے دیکھا۔ کہ مسٹر گاندھی کی ایسی عظمت مسلمانوں میں قائم ہو گئی ہے۔ کہ مسلمان مذہبی طور پر ان کی قدر کرتے ہیں۔ اور یہاں تک کہتے ہیں۔ کہ اگر نبوّت جاری ہوتی۔ تو ان کو ملتی۔ تو اس سے انہوں نے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی۔ اور یہ ارادہ کیا۔ کہ مسلمانوں کو ہندوستان سے بالکل مٹا دیا جائے۔ مگر ان کا یہ کہنا کہ مسلمانوں کے ہندوستان سے مٹ جانے سے امن قائم ہو جائیگا۔ بالکل غلط تھا۔ کیونکہ ہندو کوئی مذہب نہیں ہے۔ بلکہ مختلف فرقے ہیں۔ جو اپنے آپ کو ہندو کہتے ہیں۔ کچھ عرصہ ہُوا۔ اخبار لیڈر میں ہندو مذہب کے متعلق مضامین چھپے تھے۔ جو مختلف لوگوں نے لکھے تھے۔ ان میں سے ایک نے لکھا تھا۔ کہ کئی مذاہب کو جمع کر کے ہندو مذہب بنا دیا گیا ہے۔ تو ہندو خود کوئی مذہب نہیں ہے۔ اگر مسلمان ہندوستان سے مٹ گئے۔ تو ان کی آپس میں لڑائی شروع ہو جائیگی۔ کیا مسلمانوں سے پہلے ان میں لڑائیاں نہ ہوتی تھیں۔ بُدھوں اور جینیوں میں کس قدر لڑائیاں ہوئیں۔ مختلف فرقوں نے ایک دوسرے کو کس بے دردی سے قتل کیا۔ اور اس طرح قتل کیا۔ کہ بعض قوموں کا ایک آدمی بھی نہ چھوڑا۔ پس اگر مسلمان اور انگریز ہندوستان سے نکل جائیں۔ تو ہندو کہلانے والے آپس میں لڑینگے۔ اس لئے یا تو یہ فیصلہ کر لینا چاہیئے۔ کہ ہندوؤں کا بھی کوئی ایک ہی فرقہ ہندوستان میں رہے۔ ورنہ یاد رکھنا چاہیئے کہ مسلمانوں سے ہندوستان خالی کرا دینے سے صلح نہیں ہو سکتی۔ دراصل صلح نیتوں کی صفائی سے ہی ہو سکتی ہے۔ اور کسی طرح نہیں ہو سکتی۔

چھوٹی چھوٹی باتوں پر تنازعات۔

اس کوشش کا کیا نتیجہ ہُوا۔ جو ہندوؤں کی طرف سے مسلمانوں کے مٹانے کے لئے شروع ہوئی۔ یہ کہ مسلمانوں نے سمجھا۔ ہمارا مذہب مٹنے لگا ہے۔ اس وجہ سے وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو مذہب بنا کر لڑنے لگے۔ کہیں جلوس پر لڑائی ہوئی کہیں

تعزیئے پر۔ کہیں اذان پر۔ اسی طرح ہندوؤں نے کہا۔ کہ اگر تمہارے تعزیئے نکلتے ہیں۔ تو ہم باجے بجائیں گے۔ اور مسجدوں کے پاس سے گذریں گے۔ اگر ان باتوں پر کوئی غور کرے۔ تو حیران رہ جائے۔ کہ یہ بڑے آدمی آپس میں لڑ رہے ہیں۔ یا بچے۔ باجوں کے مسجدوں کے پاس بجنے میں کیا بات ہے۔ اور ان کے روکنے میں کیا۔ ان کا بجانا اور روکنا۔ دونو بچوں والی باتیں ہیں۔ میرے نزدیک تو تعزیئے مذہب میں شامل نہیں۔ مگر جو تعزیئے بناتے ہیں۔ وہ بھی ان کو مذہب کا جزو نہیں سمجھتے۔ پس اوّل تو یہ مذہب کا جزو نہیں۔ اور اگر ہوں۔ تو ان کے ایک رستہ سے گذرنے میں کونسی فضیلت ہو سکتی ہے۔ اور دوسرے رستہ سے گذرنے میں کونسی ہتک ہو سکتی ہے۔ اسی طرح باجا بجانا مذہب کا فرض نہیں۔ اور یہ بات تو بالکل ہی سمجھ میں نہیں آتی۔ کہ جب کسی قوم کا معبد آئے۔ تو ضرور ہی اس کے پاس باجا بجانا چاہیئے ٭

ایسی باتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان لوگوں کی عقلیں ٹھکانے نہیں رہیں۔ اور یہ بچوں کی سی باتیں کرنے لگ گئے ہیں ٭

سنگٹھن پھر ایک اور تحریک جو ان فسادوں کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ پہلے کی تھی۔ اس کو اب زیادہ زور حاصل ہو گیا۔ اور وہ سنگٹھن کی تحریک ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ یہ تحریک ہندو مسلمانوں کے موجودہ فسادات کی وجہ سے شروع ہوئی۔ مگر جو شخص پنڈت مالویہ صاحب کے حالات سے واقف ہوگا۔ اسے معلوم ہو گا۔ کہ جب سے انہوں نے ہوش سنبھالا ہے۔ اسی وقت سے اس تحریک میں لگے ہوئے ہیں۔ ہاں پہلے ان کی کوئی بات نہیں سنتا تھا۔ مگر ملتان کے واقع سے انہوں نے فائدہ اٹھایا۔ اور ہندوؤں کو اس کے لئے تیار کر لیا ہے ٭

مسلمان اس تحریک سے بدک گئے۔ اور انہوں نے کہنا شروع کر دیا۔ کہ ہندوؤں کی یہ کمیٹیاں جو الگ بن رہی ہیں۔ یہ ہمارے خلاف اور ہمیں نقصان پہنچانے کے لئے بنی ہیں۔ یہ نہیں بننی چاہیئیں۔ فسادات کے بعد اس تحریک کے زور پکڑ جانے کی وجہ سے مسلمانوں کو یہی خیال آیا۔ کہ یہ فسادات کے بعد شروع ہوئی ہے۔ مگر در اصل یہ پہلے کی شروع ہے۔ جن حالات کے ماتحت اس میں زور آیا ہے۔ ان کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اسے مسلمانوں کے خلاف کہہ سکتے ہیں۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں۔ کہ مسلمان اس تحریک پر ناراض ہوں۔ اور یہ کہیں۔ کہ ہندو کیوں اس پر عمل کرتے ہیں ٭

تحریک شدھی شدھی کے متعلق میں نے بتایا ہے۔ کہ یہ ہندوؤں نے شروع کی۔ اور مسلمانوں

میں اس کی وجہ سے بھی ناراضگی پیدا ہوئی۔ مگر میں قطعاً نہیں سمجھتا۔ کہ مسلمان شدھی پر ناراض کیوں ہیں۔ ہندوؤں کا شدھی کو جاری کرنا ایسا ہی ہے۔ جیسے مسلمانوں کا دوسروں کو مسلمان بنانا۔ پس اگر کوئی دوسروں کو اپنے مذہب میں داخل کرتا ہے۔ تو ہم ناراض کیوں ہوں۔ عیسائی ہندوؤں سے زیادہ لوگوں کو عیسائی بنا رہے ہیں۔ ان سے کوئی ناراض نہیں ہوتا۔ پھر یہ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ ہندوؤں سے شدھی کی وجہ سے کیوں ناراض ہیں۔ میں نے بارہا اپنی گفتگوؤں اور تقریروں میں ذکر کیا ہے۔ کہ شدھی پر ناراض ہونے کی مسلمانوں کے لئے کوئی وجہ نہیں ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں۔ چونکہ ان کے مذہب میں کسی کو داخل کرنے کی اجازت نہیں۔ اس لئے مسلمان ناراض ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں۔ اس پر تو ان کے پنڈتوں کو ناراض ہونا چاہیئے۔ نہ کہ ہمیں۔ یہ تو ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ کوئی ہندو مسلمانوں سے اس بات پر لڑے۔ کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے۔ میرے نزدیک مسلمانوں کو شدھی پر قطعاً ناراض نہیں ہونا چاہیئے۔ اور میں تو اس کو نہایت ہی پسند کرتا ہوں۔ کیونکہ جب تک کسی قوم میں یہ ولولہ نہ ہو۔ کہ دوسروں کو اپنے اندر داخل کرے۔ اس وقت تک وہ بھی دوسروں میں داخل نہیں ہو سکتی۔ اب جبکہ ہندوؤں میں یہ ولولہ پیدا ہو رہا ہے۔ کہ دوسروں کو اپنے اندر داخل کریں۔ تو وہ بہ نسبت اس کے جلد ہی مسلمان بنا لئے جائیں گے۔ کہ وہ پہلی حالت میں رہتے۔ پس میں شدھی کی تحریک پر ناراض نہیں ہوں۔ اور نہ اسے ناپسند کرتا ہوں۔ ہاں اس کے لئے جو ناجائز ذرائع اختیار کیئے گئے ہیں۔ ان کو ضرور ناپسند کرتا ہوں ؛

> شدھی کا باقاعدہ مقابلہ سب سے پہلے ہم نے شروع کیا

چونکہ میں وہ انسان ہوں۔ جس نے سب سے پہلے شدھی کے مقابلہ میں باقاعدہ کمانڈر مقرر کیا۔ جس کے ماتحت ہر وقت کم از کم ایسے سو آدمی کام کر رہے ہیں۔ کہ جن کو وہ جہاں کھڑا کرے۔ وہیں کھڑے رہتے ہیں۔ اور جہاں بٹھائے۔ وہیں بیٹھے رہتے ہیں۔ خواہ کیسی ہی مشکلات اور تکالیف ان کو پیش آئیں۔ اس لئے شدھی کے متعلق جو حالات مجھے معلوم ہیں۔ وہ اور کسی کو معلوم نہیں ہیں۔ بعض لوگوں نے اس تحریک میں بھی ناجائز ذرائع استعمال کیئے۔ پھر میں نے بعض کہا ہے۔ کیونکہ بعض ہندو شدھی کے خلاف بھی ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں۔ کہ اگر ان کو ان ذرائع کا علم ہو۔ تو انہیں ناپسند کرینگے ؛

> ہندوؤں نے شدھی میں ناجائز ذرائع اختیار کیئے

تو بعض نے ناجائز ذرائع استعمال کیئے۔ وہ ذرائع کیا تھے۔ وہ کئی قسم کے تھے۔ مثلاً (۱) اس بات پر لیکچر دیئے گئے۔ کہ مسٹر گاندھی کو مسلمانوں نے اپنا

لیڈر مان لیا ہے۔ اور یہ بات اس قدر مشہور ہو چکی تھی۔ کہ وہ لوگ جو پہاڑوں میں رہتے۔ ان تک بھی پہنچی ہوئی تھی۔ اس لئے ملکانے بھی تسلیم کر لیتے۔ کہ ہاں مسلمانوں نے مسٹر گاندھی کو اپنا لیڈر مان لیا ہے۔ پھر ان کو کہا جاتا۔ انہوں نے کہا ہے۔ کہ تب تک ہندوستان کی حکومت نہیں مل سکتی۔ جب تک تمام ہندوستانیوں کا ایک مذہب نہ ہو جائے۔ اس امر کے لئے سب سے پہلے ان راجپوتوں کو اپنے ساتھ ملانے کی تجویز کی گئی ہے۔ جو پہلے ہندو تھے۔ اب یہ بات جب ان لوگوں نے سنی۔ جو عام طور پر جاہل اور ناواقف تھے۔ تو وہ ہندو بننے کے لئے تیار ہو گئے۔ اور انہوں نے کہدیا۔ کہ پھر ہمیں ہندو بننے میں کیا عذر ہو سکتا ہے ؛

دوسرا ناجائز طریق یہ اختیار کیا گیا۔ کہ مسلمانوں کے بزرگوں کے جھوٹے مظالم ان لوگوں کو سنانے شروع کر دیئے۔ اور انہیں کہا گیا۔ کہ مسلمان بادشاہوں نے تم کو زور اور جبر سے اور تمہارے باپ دادا کے گلے پر تلوار رکھ کر ان کو مسلمان بنایا تھا۔ اب جبکہ انگریزوں کی حکومت ہے۔ اور کوئی تم پر جبر نہیں کر سکتا۔ تو تمہیں چاہیئے۔ کہ پھر ہندو بن جاؤ۔ اب جو مسلمان یہ دیکھیگا۔ کہ ہمارے بادشاہوں کو اس طرح گندہ اور ظالم کر کے دکھایا جاتا ہے۔ تو اس کو غیرت آئیگی۔ اور چونکہ نہ صرف عالمگیر اورنگ زیب کے زمانہ میں بلکہ سب مسلمان بادشاہوں کے زمانہ میں شروع سلطنت اسلامیہ سے ہندو مسلمان ہوتے چلے آئے ہیں۔ اس لئے سب مسلمانوں بادشاہوں پر زبردستی مسلمان بنانے کا الزام لگایا گیا۔ اور ان کو ظالم اور جابر قرار دیا گیا ؛

اس کے متعلق میں نے اپنے ان مبلغوں کو جو ملکانوں میں کام کرتے تھے۔ لکھا کہ تم ان لوگوں کو کہو۔ کہ اگر یہ بات درست ہے۔ کہ مسلمان بادشاہوں نے تمہارے باپ دادوں کو جبراً مسلمان بنا لیا تھا۔ جو راجپوت تھے۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ باقیوں کو انہوں نے جبراً مسلمان نہ بنایا۔ اس پر آریوں کو بہت مشکل پیش آئی۔ اور انہوں نے یہ ڈھنگ بنایا۔ کہ ملکانوں کو کہنے لگے۔ ایک دفعہ مسلمان تمہارے باپ دادوں کو لڑانے کے لئے لے گئے تھے۔ اور کوئیں میں تھوک کر ان کو اس کا پانی پلا دیا تھا۔ اس پر قوم نے ان لوگوں کو چھیک دیا تھا۔ اور وہ مسلمان بن گئے ؛

تیسرا طریق یہ اختیار کیا گیا۔ کہ شدھی کا مطلب مسلمانوں سے چھوت چھات کرنا بتایا گیا۔ اس سے مسلمانوں کو غصہ آئیگا۔ یا نہ آئیگا۔ کہ ہم سے نفرت کرائی جاتی ہے۔ اور ہم کو ذلیل سمجھا جاتا ہے۔ اگر ملکانوں کو اپنے مذہب کی تعلیم دی جاتی۔ تو غصہ کی کوئی وجہ نہ تھی۔ مگر اس کے بجائے مسلمانوں سے نفرت سکھائی گئی ؛

پانچویں یہ کہ لالچ سے شدھی کی گئی۔ شدھ ہونے کے لئے روپیہ دیا گیا۔ ہمارے پاس ایسے آدمیوں کے نام اور پتے اور ثبوت موجود ہیں۔ ان کو شدھ ہونے کے لئے روپے دیئے گئے۔ ایک آدمی نے بتایا۔ کہ میں چار پانچ سو روپیہ شادی پر خرچ کر چکا ہوں۔ اب چار سو روپیہ اور چاہیئے۔ مگر ساہوکار کہتا ہے۔ کہ شدھ ہو جاؤ۔ تو دونگا۔ کیا تم یہ روپیہ دے سکتے ہو۔ ہم نے کہا۔ ہمارے پاس روپیہ نہیں ہے۔ اس پر وہ روتا ہوا چلا گیا۔ کہ اب میں مجبور ہوں۔ مجھ پر الزام نہ لگانا۔ کہ کیوں شدھ ہو گیا ٭

پھر ان لوگوں سے ہمارے آدمیوں پر مظالم کرائے گئے۔ ایک شخص جو سشن جج کے ریڈر ہیں۔ ایک گاؤں جس کا نام "اسپار" ہے۔ اس میں رہتے تھے۔ ان پر جھونپڑا گرا دیا گیا۔ اور گھسیٹے گھسیٹے گاؤں سے باہر نکال دیا۔ اس کے متعلق مقدمہ ہوا۔ اور ملزموں نے جھوٹ بولنے پر کمر باندھ لی۔ اس پر عدالت بار بار کہتی۔ کہ آریہ تو کہتے ہیں۔ ہم نے ان کو شدھ کیا ہے۔ کیا شدھ ہو کر یہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں۔ عدالت نے ان لوگوں کو مجرم قرار دیا۔ اور سزا دی ٭

اسی طرح ایک گاؤں ہے۔ جو اِرد گِرد کے علاقہ پر اثر رکھتا ہے۔ اس کے دو باا ثر آدمیوں کو تحصیلدار نے بلا کر کہا۔ کہ تمہارے گاؤں میں فلاں کواں جو سرکاری روپیہ سے بنا ہے۔ اس کے متعلق میں کہدونگا۔ کہ چونکہ اس کا پانی کھاری نکلا ہے۔ اس لئے روپیہ نہ وصول کیا جائے۔ تم سارے گاؤں کو شدھ کرا دو۔ وہ سرکردہ لوگ تھے۔ انہوں نے اس گاؤں کے لوگوں کو شدھ کرا دیا۔ اب تحصیلدار نے جو کچھ کہا تھا۔ اس کا ثبوت اس طرح ملتا ہے۔ کہ گاؤں والوں نے اس کواں کے متعلق درخواست دی۔ ادھر تحصیلدار نے سفارش کی۔ کہ ان سے روپیہ نہ لیا جائے۔ اور ادھر یہ روایت ہے۔ کہ اس شرط پر شدھ ہونے کے لئے کہا گیا تھا ٭

ایک اور جگہ ہمارے مبلغ ارتداد کو روکنے کے لئے گئے۔ وہاں کے لوگ دوبارہ مسلمان ہو گئے۔ لیکن وہاں تھانیدار نے جا کر لوگوں کو کہا۔ کہ تم مجرموں میں شامل کر لئے جاؤ گے۔ اس پر ان لوگوں نے ڈر کر کہدیا۔ کہ ہم مسلمان نہیں ہوئے ٭

اس کے علاوہ اس علاقہ میں ایسے مضامین اور ٹریکٹ اسلام کے خلاف شائع کیئے گئے۔ جو اس قدر گندے تھے۔ کہ مسلمان ان کو سُن بھی نہیں سکتے تھے۔ ان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور اسلام کو ایسی گندی اور ناپاک گالیاں دی گئی ہیں۔ کہ کوئی شریف انسان ان کو پڑھ نہیں سکتا۔ اس سے مسلمانوں کو جس قدر صدمہ پہنچتا۔ جائز تھا ٭

اسی طرح سنگٹھن کے انتظام کو فسادات کے ساتھ ایسا قریب کر دیا گیا۔ یعنی ملتان وغیرہ کے

واقعات سے اتنا قریب شروع کیا گیا۔ کہ مسلمانوں کو خطرہ پیدا ہو گیا۔ کہ ہمارے مٹانے اور نقصان پہنچانے کے لئے یہ سب کچھ کیا جا رہا ہے۔ اگر ملتان کے فساد کے متعلق ہندو دھواں دھار تقریریں نہ کرتے۔ تو ملتان کا فساد ملتان تک ہی محدود رہتا۔ مگر اس فساد کو ہندوؤں نے اتنا پھیلایا۔ اور مالابار کے واقعات کو اس کے ساتھ اس طرح ملا دیا۔ کہ مسلمانوں نے سمجھا ہندو ہم کو ذلیل اور برباد کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر ستم یہ ہوا۔ کہ دونو قوموں میں صلح کرانے والے خود ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اور اس طرح کوئی صلح کرانے والا نہ رہا۔ اس طرح فسادات اور جھگڑے پیدا ہو گئے ؎

اختلافات مٹانیکے لئے ناکام کوششیں

اب ان اختلافات کو مٹانے کے لئے جو کوششیں کی جا رہی ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ کہ

سِوِل نافرمانی

(۱) گورنمنٹ کے خلاف جوش پیدا کر کے سِوِل نافرمانی کی جائے۔ لیکن ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے۔ کہ جب آپس میں لڑائی ہو۔ تو گورنمنٹ کے خلاف کون کھڑا ہو سکتا ہے۔ ایسے جوش اس وقت پیدا کئے جا سکتے ہیں۔ جبکہ گورنمنٹ سے کوئی امید نہیں ہوتی۔ مگر جب لوگ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ ابھی ہمارا مقدمہ گورنمنٹ کے پاس پہنچیگا۔ تو وہ کس طرح گورنمنٹ کے خلاف کھڑے ہو سکتے ہیں۔ اوّل تو ہم اسی کے خلاف ہیں۔ کہ سِوِل نافرمانی کی جائے۔ مگر یہ موقع تو ایسا ہے۔ کہ قطعاً اس کے خلاف ہیں ؎

شدھی روک دی جائے

دوسری کوشش یہ کی گئی ہے۔ کہ شدھی کی تحریک اور اسکے مقابلہ کی کوششوں کو روک دیا جائے۔ حال میں کانگریس کا جو اجلاس دہلی میں ہوا تھا۔ اس میں یہ بات پیش ہوئی تھی۔ مگر ہم حیران تھے۔ کہ کس طرح روک سکتے ہیں۔ سب سے زیادہ شدھی کے مقابلہ میں ہمارے آدمی کام کر رہے ہیں۔ ہم سے سمجھوتہ کیئے بغیر کس طرح اس تجویز کو پاس کر سکتے ہیں جن ایام میں کانگریس ہو رہی تھی۔ قادیان میں ہماری ہو رہی تھی۔ جس میں میں نے اپنے دوستوں کو کہا۔ کہ ان سمجھوتہ کرنے والوں نے ایک بات کو نظر انداز کیا ہے۔ مگر جب وہ فیصلہ کرنے لگینگے۔ تب انہیں معلوم ہو گا۔ کہ کیا غلطی کر رہے ہیں۔ یہ کہکر میں گھر گیا۔ تو مجھے ایک تار ملا۔ جو مسٹر محمد علی۔ حکیم اجمل خاں۔ اور ڈاکٹر انصاری کی طرف سے تھا۔ جس میں لکھا تھا۔ کہ شدھی کے متعلق سمجھوتہ کرنے کے لئے اپنے قائم مقام بھیجیں۔ اس پر میں نے آدمی بھیجدیئے۔ جب ہمارے آدمی گئے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ وہی بات ہوئی۔ جو میں نے کہی تھی۔ یہ قرار پا چکا تھا۔ کہ دونو قومیں اپنے آدمی علاقہ ارتداد سے واپس بلا لیں۔ اور صرف یہ سوال باقی تھا۔ کہ پہلے کون بھیجے

اور کون لوگ اوّل اس علاقہ کو خالی کریں۔ مولوی صاحبان نے یہ کہدیا تھا۔ کہ ہمارے آدمی واپس آجائینگے۔ اس پر یہ سوال پیدا ہُوا۔ کہ احمدیوں کا کیا ہوگا۔ اس پر مسٹر شردھانند نے کہا۔ کہ احمدی بھی اپنے آدمی بلا لیں۔ اگر ان کے آدمی واپس آجائینگے۔ تو ہم بھی اپنے آدمی بُلا لینگے۔ ورنہ نہیں۔ اس وقت سمجھوتہ کرنے والوں کو ہمارا خیال پیدا ہُوا۔ اور ہماری قائم مقاموں کو بُلایا گیا۔ اس پر مَیں نے اپنے آدمیوں کو بھجدیا۔ جنہوں نے جاکر کہا۔ کہ کسی مذہب کی اشاعت کو نہیں روکا جا سکتا۔ اگر شدھی کو روکا جائیگا۔ تو ہندو اسلام کی اشاعت کو بھی روکیں گے۔ اس لئے یہ نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ یہ ہونا چاہیئے۔ کہ ناجائز ذرائع جو استعمال کیئے جاتے ہوں۔ ان کو روکنا چاہیئے۔ اس کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی جائے۔ جو تحقیقات کرے۔ کہ کس فریق نے کیا کیا ناجائز ذرائع استعمال کیئے ہیں۔ اس تجویز کی پنڈت مالویہ اور لالہ شردھانند صاحب نے مخالفت کی۔ مگر مسلمان لیڈروں کو اس امر کی اہمیت معلوم ہو چکی تھی۔ انہوں نے زور دیا۔ اور کمیٹی بنائی گئی۔ گو افسوس ہے۔ کہ ابھی تک اس کمیٹی میں کچھ کام نہیں ہُوا۔

اب اگر شدھی کو روکنے کی تجویز پاس ہو جاتی۔ تو اس سے اسلام کو بڑا بھاری نقصان پہنچتا۔ اور ہم جو یہ دعویٰ کرتے ہیں۔ کہ اسلام غیر مذاہب کے لوگوں کو اپنی صداقت اور حقانیّت کے زور سے کھینچتا ہے۔ یہ جھوٹا ہو جاتا۔ کیونکہ ہندوؤں کے سامنے عملاً مان لیا جاتا۔ کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ اسلام کے لئے نہایت نازک موقع تھا۔ جو ہمارے زور دینے کی وجہ سے ٹل گیا۔

تحقیقات کی جائے فساد کا بانی کون ہے

تیسری تجویز یہ کی گئی ہے۔ کہ تحقیقات کی جائے۔ فساد کا بانی کون ہے۔ اور کس کی طرف سے زیادتی ہوئی ہے۔ یہ تجویز سب سے ضروری تجویز تھی۔ مگر بعد از وقت تھی۔ کیونکہ مسلمان لیڈر یہ فیصلہ کر چکے تھے۔ کہ ابتدا مسلمانوں نے کی ہے۔ اور زیادتی ان کی ہے۔ ایسی صورت میں اس قسم کی کمیٹی کے بنانے سے کیا فائدہ ہو سکتا تھا۔ یہ بہت اچھا کام تھا۔ بشرطیکہ ہندو مسلمان لیڈر اپنی رائیں محفوظ رکھتے۔ اور پھر واقعات سے جو کچھ ثابت ہوتا۔ اسے پیش کرتے۔

سِول گارڈ بنائے جائیں

چوتھی تجویز یہ کی گئی۔ کہ سِول گارڈ بنائے جائیں۔ جو فسادات کو روکیں۔ یہ ضروری تھی۔ مگر لیڈروں کا آپس میں صلح کرنا اس کے لئے ضروری تھا۔ موجودہ حالت میں یہ سب تجویزیں ایسی ہیں۔ جن سے صلح نہیں ہو سکتی۔

صلح کی حقیقی تجویزیں

اب میں وہ تجویزیں پیش کرتا ہوں۔ جو اسلام سے مستنبط ہوتی ہیں۔ اور جن سے صلح ہو سکتی ہے۔

مسلمان اپنے آپکو مضبوط کریں

پہلی چیز جس سے صلح ہو سکتی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ مسلمان اپنے آپ کو مضبوط کریں۔ میں پنڈت مدن موہن مالویہ صاحب کی اس رائے سے بالکل متفق ہوں۔ کہ جب تک کوئی قوم خود محفوظ نہیں ہوتی۔ دوسری قوم سے صلح قائم نہیں رکھ سکتی۔ پس میں ان کی اس رائے کے خلاف نہیں ہوں۔ بلکہ متفق ہوں۔ مگر یہ کہتا ہوں۔ کہ ہندوؤں کی نسبت مسلمانوں کو زیادہ مضبوط ہونے کی ضرورت ہے۔ اور صلح کے لئے مضبوط ہونا روک نہیں۔ بلکہ ضروری ہے۔ دیکھو فرانس اور انگلینڈ میں صلح ہے۔ تو کیا انہوں نے اپنے جنگی بیڑے توڑ دیئے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے۔ کہ مسلمان صلح کے لئے مضبوط ہونے کی ضرورت نہ سمجھیں۔ اس کے بغیر نہ صلح ہو سکتی ہے۔ اور نہ قائم رہ سکتی ہے۔ ہمیں خود مضبوط ہونا چاہیئے۔ اور ہندوؤں کے مضبوط ہونے پر بُرا نہیں ماننا چاہیئے۔ یہ نادانی کی امید ہے۔ کہ چونکہ صلح ہو گئی ہے۔ اس لئے ہندو اپنی تیاری چھوڑ دیں۔ اسی طرح یہ بھی نادانی کی توقع ہے۔ کہ مسلمان اپنے آپ کو مضبوط نہ بنائیں۔ قرآن کریم تو مسلمانوں کو یہ تعلیم دیتا ہے۔ کہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ أَوِ انْفِرُوا جَمِيعًا (پ ۵) تمہیں ہر وقت تیار رہنا چاہیئے۔ اور اپنی حفاظت کے سامان کرنے چاہئیں۔ میرے نزدیک جو شخص غیر مسلح ہو کر صلح کرتا ہے۔ وہ سوالی ہے۔ اور سوالی سے صلح کے کیا معنی۔ صلح مسلح ہی کی ہوتی ہے۔ پس اگر ہم تیار نہیں۔ ہماری قوم محفوظ نہیں۔ اور صلح کے لئے جاتے ہیں۔ تو یہ صلح کی درخواست نہیں۔ بلکہ سوال ہے۔ اور اپنے عجز کا اظہار ہے۔

پس مسلمانوں کے لئے ضروری ہے۔ کہ مضبوط ہوں۔ اور اس کے لئے ارگنازیشن کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں نے مسلم لیگ جو توڑا۔ یا توڑنے کی طرح بنا دیا۔ یہ سخت غلطی کی ہے۔ ایسی لیگ ضرور ہونی چاہیئے۔ جو مسلمانوں کی قومی طور پر محافظ ہو۔ ان کے حقوق کی حفاظت کرے۔ ان کی ملازمتوں کا خیال رکھے۔ بعض لوگ کہا کرتے ہیں۔ کہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر میں کہتا ہوں۔ کہ ہندو جو مال و دولت میں مسلمانوں سے بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ جب وہ یہ باتیں کرتے ہیں۔ تو ہم کیوں نہ کریں۔ جب ہندو باوجود مال میں دولت میں تجارت میں ملازمتوں میں زیادہ ہونے کے کہتے ہیں۔ کہ ملازمتوں کے حقوق کالجوں میں

داخلہ کے حقوق کونسلوں میں انتخاب کے حقوق ان کو زیادہ ملیں۔ تو کیوں مسلمان ان باتوں میں کوشش نہ کریں ۔

مسلمان تمدنی طور پر آزاد ہوں

دوسری بات یہ ہے۔ کہ مسلمانوں کو تمدنی طور پر اپنے آپ کو آزاد کر لینا چاہیئے۔ پچھلے دنوں ایک ہندو لیڈر نے جو غالباً بپن چندر پال تھے۔ لکھا تھا۔ کہ مسلمانوں کو ہم تین ماہ کے اندر اندر درست کر سکتے ہیں۔ یہ بالکل ٹھیک ہے۔ کیونکہ مسلمانوں نے اپنی قومی زندگی کے سارے ذرائع دوسروں کے سپرد کر دیئے ہیں۔ اور کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی۔ اور نہ زندہ رہنے کا حق رکھتی ہے۔ جسے دوسری قوم اگر مقاطعہ کرے۔ تو وہ زندہ نہ رہ سکے۔ مسلمانوں کو اگر زندہ رہنا ہے۔ تو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا چاہیئے۔ اور دوسری کی محتاجی سے اپنے آپ کو آزاد کر لینا چاہیئے۔ اس کے لئے جن باتوں کی ضرورت ہے ۔

ہندوؤں سے چھوت چھات

ان میں سے ایک چھوت چھات بھی ہے۔ اس سے ہندوؤں نے علاقہ ارتداد میں بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ ہندو ملکانوں سے کہتے۔ دیکھو مسلمان ہمارے ہاتھ کا کھا پی لیتے ہیں۔ مگر ہم ان کے ہاتھ کا نہیں کھاتے۔ اس لئے ثابت ہوا۔ کہ یہ لوگ ہم سے ذلیل ہیں۔ اور اپنے آپ کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ اس پر کئی گاؤں والوں نے ہمیں خطوط لکھے۔ کہ اگر مسلمان اپنے آپ کو ذلیل نہیں سمجھتے۔ تو وہ بھی چھوت چھات کر دیں۔ آخر ہم نے یہ حکم دیدیا۔ مَیں مقاطع اور بائیکاٹ کو ناپسند کرتا ہوں۔ مگر ہندو جو ہم سے چھوت چھات کر رہے ہیں۔ کیا وہ ہمیں بائیکاٹ کر رہے ہیں۔ پھر وہ کہتے ہیں۔ چھوت چھات کی تحریک کرنا فساد پھیلانا ہے۔ مگر کیا ہندو فساد کے لئے ہم سے چھوت چھات کرتے ہیں۔ اگر ہندوؤں کے چھوت چھات کرنے کے باوجود کہا جاتا ہے۔ کہ ہندو مسلمانوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ایک مکان کی دیواریں ہیں۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ اگر مسلمان بھی چھوت چھات کریں۔ تو یہ لڑائی کا موجب بن جاتی ہے۔ پس یہ بالکل غلط ہے۔ کہ چھوت چھات کرنا فساد کا باعث ہے۔ بلکہ یہ خود حفاظتی کے لئے ضروری ہے ۔

دیگر تجاویز

اسی طرح مسلمان صنعت و حرفت کی طرف توجہ کریں۔ ڈاکٹری اور وکالت وغیرہ کے پیشوں میں مسلمانوں کی کافی تعداد ہو۔ اسی طرح بینکوں میں مسلمان پیچھے ہیں۔ ان میں ترقی کرنی چاہیئے۔ مَیں سودی لین دین کے خلاف ہوں۔ کیونکہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ مگر میں نے غور کیا ہے۔ کہ اگر قوم تیار ہو۔ تو سود کے بغیر بینک چل سکتا ہے۔ اسی طرح

ہندوستان کی تجارت اکسپورٹ اور امپورٹ جو کلی طور پر ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے۔ اس شعبہ کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ علاوہ ازیں کمشن ایجنسیوں میں بھی مسلمان پیچھے ہیں۔ بلکہ صفر کے برابر ہیں۔ ان کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ پس اگر مسلمان گھٹنوں کے بل گر کر معافی مانگنا اور ذلیل ہو کر زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ تو اور بات ہے۔ ورنہ اگر چاہتے ہیں۔ کہ عزت و آبرو کی زندگی بسر کریں۔ تو ان کمیوں کو پورا کریں +

پہلے مسلمان آپسمیں اتحاد کریں

تیسری بات یہ ہے۔ کہ مسلمان سیاسی اور مذہبی اختلافات کو نظر انداز کر کے آپس میں اتحاد و اتفاق پیدا کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ وہ سمجھ لیں۔ کہ دنیا کے سارے مسلمان ایک ہیں۔ اور سب کا اتحاد ہونا چاہیئے۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں میں رواداری کا مادہ ابھی تک پیدا نہیں ہوا۔ ذرا ذرا سے اختلافات پر اپنی مجالس سے مخالف خیال والوں کو نکال دیتے ہیں۔ خلافت کے معاملہ کو ہی دیکھو۔ اس کے متعلق مَیں نے کہا تھا۔ کہ ذرا اتنا کر دو۔ کہ یہ مت کہو کہ سارے کے سارے مسلمان سلطان ٹرکی کو خلیفہ مانتے ہیں۔ بلکہ یہ کہو۔ کہ اکثر حصہ مانتا ہے۔ اور سارے کے سارے مسلمان سلطنت ٹرکی سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ اس پر ہم بھی تمہارے ساتھ ملنے کیلئے تیار ہیں۔ اور دوسرے مسلمان بھی جو خلیفہ نہیں مانتے۔ اس تحریک میں شامل ہو جائینگے۔ مگر اس کی پرواہ نہ کی گئی۔ اور خلیفہ نہ ماننے والوں کو الگ کر دیا گیا۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اپنے سے الگ کرنے سے کسی قوم کو طاقت نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ اپنے اندر جذب کرنے سے طاقت حاصل ہوتی ہے۔ اگر خلافت کمیٹی والے میرا مشورہ قبول کرتے۔ اور تمام مسلمانوں کی متفقہ کوشش سے کام کرتے۔ تو موجودہ صورت سے یقیناً زیادہ کامیابی ہوتی۔ پس مسلمانوں کو چاہیئے۔ کہ مذہبی اختلاف کی وجہ سے کسی فرقہ کو جدا نہ کریں۔

اسی طرح سیاسی اختلاف کی وجہ سے بھی علیحدہ کرنے کی پالیسی کو چھوڑ دیں۔ دیکھو انگلینڈ کی پارلیمنٹ میں ہر خیال کے ممبر جمع ہوتے ہیں۔ یا نہیں۔ مسلمان بھی اسی طرح ترقی کر سکتے ہیں۔ کہ اپنی انجمن میں ہر قسم کے خیالات کے مسلمانوں کو شامل کریں۔ اور سب لوگوں کو ایک جگہ جمع ہونا چاہیئے۔ مثلاً یہی الیکشن کا معاملہ ہے۔ اس میں ایسا موقع بھی آیا ہے۔ کہ ہماری جماعت کا ایک آدمی ایک حلقہ سے کھڑا ہوا۔ مگر دوسرا شخص اس سے زیادہ لائق اور موزوں کھڑا ہوا۔ تو ہم نے اپنے آدمی کو کھڑا نہ ہونے دیا۔ اور دوسرے شخص کو اپنے

ووٹ دیئے۔ اگر ایسی ہی رواداری سب مسلمانوں میں پائی جائے۔ تو بہت فوائد کا موجب ہوسکتی ہے۔ مگر اب اس قدر عدم رواداری پائی جاتی ہے۔ کہ اس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے۔ کہ سچے لیڈر مسلمانوں کو نہیں ملتے۔ آج جس لیڈر کو سر پر اُٹھایا جاتا ہے۔ کل اسے گالیاں دی جاتی ہیں۔ مثلاً مسٹر جناح ہی ہے۔ یا راجہ صاحب محمود آباد۔ ایک زمانہ تھا۔ جب مسلمان ان کی بہت بڑی قدر کرتے اور ان کو اپنا لیڈر سمجھتے تھے۔ مگر اب یہ حالت ہے۔ کہ ان کو بالکل چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ہندوؤں کو دیکھو۔ پنڈت مالویہ صاحب متواتر چار سال سے اس پالسی کی مخالفت کر رہے ہیں۔ جو کانگریس نے تجویز کی ہے۔ لیکن ہندو ان کی اسی طرح قدر کرتے ہیں۔ جس طرح پہلے کرتے تھے۔ پھر خود مسٹر گاندھی ان کی عزت کرتے تھے۔ پس ہندوؤں نے اپنے لیڈروں کی قدر قائم رکھی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے۔ کہ وہ ہندو لیڈر اب گورنمنٹ کو کہہ رہے ہیں۔ کہ ملک کے ہندو ہمارے ساتھ ہیں۔ مگر مسلمان لیڈر یہ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ جنھوں نے شوروشر میں حصہ نہیں لیا۔ ان کو مسلمانوں نے ایسا تنگ کیا۔ اور اس قدر نظروں سے گرایا۔ کہ ان کی کچھ وقعت ہی باقی نہ رہنے دی۔ اور اس طرح مسلمان نقصان اُٹھا رہے ہیں ؛

مسلمانوں میں مذہبی روح پیدا ہو

چوتھی بات یہ ہے۔ کہ مسلمانوں میں مذہبی روح اور جذبہ پیدا کیا جائے۔ میں دیکھ رہا ہوں۔ کہ مسلمان مذہب سے بہت دور جا رہے ہیں۔ جبکہ سیاسی طور پر مذہب سے محبت کا اظہار کر رہے ہیں۔ چاہیئے۔ کہ مسلمان خود بھی مذہبی جذبات پیدا کریں۔ اور اپنے بچوں میں بھی مذہبی روح پیدا کریں ؛

تبلیغ اسلام پر زور دیا جائے

پانچویں بات یہ ہے۔ کہ تبلیغ اسلام پر زور دیا جائے۔ نیچر میں یہ قانون ہے۔ کہ جو چیز بڑھنے کی طاقت رکھتی ہے۔ اُسے اگر روک دیا جائے۔ تو وہ گرنے لگ جاتی ہے۔ اور دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں بتائی جا سکتی۔ جس نے بڑھنا بند کر دیا ہو۔ اور وہ کم نہ ہونے لگ گئی ہو۔ ہر ایک چیز جو بڑھنے سے رک جائیگی ضرور کم ہو گی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جب سے مسلمانوں نے بڑھنا چھوڑ دیا ہے۔ اسی وقت سے کم ہو رہے ہیں۔ پس میں مسلمانوں سے کہونگا۔ کہ اگر وہ ترقی کرنا چاہتے ہیں۔ تو دین کی اشاعت کریں۔ وہ اس پر ناراض نہ ہوں۔ کہ ہندو اپنے مذہب کی اشاعت کرتے ہیں۔ بلکہ خود تبلیغ دین کریں۔ اور دوسرے لوگوں کو اسلام میں داخل کریں۔ قرآن کریم نے

تبلیغ دین ہر ایک مسلمان کا فرض قرار دیا ہے۔ چنانچہ آتا ہے۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر۔ مسلمانوں کی بڑائی اور فضیلت کی وجہ یہی ہے۔ کہ دیگر مذاہب کے لوگوں کو اسلام کی طرف لائیں ؎

غرباء کی خبرگیری کی جائے

چھٹی بات یہ ہے۔ کہ غرباء کی خبرگیری کی جائے۔ یہ تمدّنی طور پر نہایت ضروری امر ہے۔ کیونکہ جب تک تمام قوم کے افراد میں محبت اور تعلّق نہ ہو۔ اس وقت تک کوئی قوم بڑھ نہیں سکتی۔ مگر مَیں افسوس کے ساتھ اس بات کا اعتراف کرتا ہوں۔ کہ مسلمانوں میں ایسے امراء ہیں۔ جن کو اپنی جان کا تو فکر ہے۔ مگر غرباء کی کوئی پروا نہیں۔ ایسی انجمنیں اور سوسائٹیاں ہونی چاہئیں۔ جو غرباء کو کام سکھائیں۔ اور پھر ان کے لئے کام نکالیں ؎

اپاہجوں کی امداد ہو

ساتویں بات یہ ہے۔ کہ قوم میں جو ایسے لوگ ہیں۔ جو کوئی کام نہیں کر سکتے۔ مثلاً اپاہج۔ لولے۔ لنگڑے وغیرہ۔ ان کے لئے خاص انتظام کیا جائے۔ اسی طرح یتیم بچوں کی پڑھائی اور تربیت کا انتظام کیا جائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اسلام کو ایسے لوگوں کا اس قدر خیال تھا۔ کہ زکوٰۃ کا حکم اسی قسم کے اخراجات کے لئے دیا گیا۔ چنانچہ معاذ کو جب رسول کریم ؐ نے ایک صوبہ کا حاکم بنا کر بھیجا۔ تو یہ حکم دیا۔ کہ خدا تعالیٰ نے ہر مالدار پر صدقہ فرض کیا ہے۔ تا امیروں سے لیا جائے۔ اور غریبوں کو دیا جائے۔ پس اسلام نے غرباء کی خبرگیری کو جزو اعظم قرار دیا ہے ؎

یہ خود حفاظتی کے متعلق تجاویز ہیں۔ اب مَیں یہ بتاتا ہوں۔ کہ ہندو مسلمانوں میں صلح کیونکر ہو سکتی ہے ؎

صلح کرنے کی خواہش ہے تو سب فرقوں سے ہونی چاہیئے

اوّل یہ کہ صلح تب تک نہیں ہو سکتی۔ جب تک سب سے نہ ہو۔ اگر صلح سے مراد کوئی منصوبہ ہے۔ تو اور بات ہے۔ ورنہ اگر حقیقت میں صلح کرنے کی خواہش ہے۔ تو سب فرقوں سے صلح ہونی چاہیئے ؎

گورنمنٹ بھی ایک فریق ہے

اور ان فرقوں میں مَیں گورنمنٹ کو بھی شامل کرتا ہوں۔ اب گورنمنٹ انگریزی ہمارے ملک کا ایک جزو ہے۔ اس کو علٰحدہ کر کے یہ سمجھنا کہ صلح قائم رہ سکیگی۔ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ جب یہ کوشش کی جائیگی۔ کہ کسی فرقہ کو علٰحدہ کر کے صلح کی جائے۔ تو وہ

فرقہ اپنا سارا زور اس صلح کے توڑنے میں صرف کر دیگا۔ پس اس وقت تک صلح قائم نہیں رہ سکتی۔ جب تک سب کی صلح نہ ہو۔ اور جب تک گورنمنٹ بھی اس میں شامل نہ ہو۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں۔ جو یہ کہتے ہیں۔ کہ گورنمنٹ جو کچھ کرتی ہے۔ سب ٹھیک کرتی ہے۔ میرے نزدیک بعض اوقات گورنمنٹ سخت غلطیاں کرتی ہے۔ اور ایسے موقع پر خود مَیں نے ایسے ایسے سخت الفاظ میں گورنمنٹ کو توجہ دلائی ہے۔ کہ جو ضروری تھے (سخت سے مراد گالیاں نہیں۔ کیونکہ اس سے اسلام منع کرتا ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے۔ کہ وضاحت اور صفائی سے گورنمنٹ کی غلطی پیش کی گئی)۔ . . . . اور مَیں نے دیکھا ہے بالعموم گورنمنٹ نے ان باتوں کو منظور کر لیا ہے ٭

ہم گورنمنٹ کے خوشامدی نہیں

پس مَیں خوشامدیوں میں سے نہیں ہوں۔ اور نہ یہ پسند کرتا ہوں۔ کہ لوگ گورنمنٹ کی خوشامد کریں۔ کیونکہ میرے نزدیک خوشامدی انسان ہی نہیں ہوتا۔ حیوان ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی گرا ہُوا۔ اور مَیں یہ بھی نہیں سمجھتا۔ کہ گورنمنٹ غلطیوں سے پاک ہوتی ہے۔ غلطیوں سے محفوظ صرف خدا ہی کی ہستی ہوتی ہے۔ نبی کی ذات نبوّت کے لحاظ سے عصمت والی ہوتی ہے۔ مگر دنیاوی معاملات میں نبی بھی غلطی کر سکتا ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی فرماتے ہیں۔ کہ اگر ایک شخص میرے پاس آئے۔ جو اپنی چرب زبانی کی وجہ سے دوسرے کا حق مار لے۔ اور مَیں اسکے حق میں فیصلہ کر دوں۔ تو وہ یہ نہ سمجھے۔ کہ چونکہ مَیں نے فیصلہ کیا ہے۔ اس لئے دوسرے کا حق اس کے لئے جائز ہو گیا۔ بلکہ وہ اس کے لئے آگ کا ٹکڑا ہو گا۔ پس جب دنیاوی معاملات میں نبی بھی غلطی کر سکتا ہے۔ تو ائمہ بھی کر سکتے ہیں۔ اور جب ائمہ کر سکتے ہیں۔ تو عام انسان بھی کر سکتے ہیں۔ اور کرتے ہیں۔ انگریز بھی چونکہ انسان ہیں۔ اسلئے وہ بھی غلطیاں کرتے ہیں۔ مگر وہ چونکہ ہمارے ملک کا حصّہ ہیں۔ اس لئے ایسے طور پر اپنے حقوق قائم کرنے چاہئیں۔ کہ ان کو علیحدہ نہ کریں۔ اور اگر ان کو علیحدہ کریں گے۔ تو وہ اس اتحاد کو توڑنے کی کوشش کریں گے۔ جو ان کے خلاف کیا جائیگا۔ پھر اس سے ایک اور خطرناک نتیجہ پیدا ہو گا۔ اور وہ یہ کہ بدامنی پیدا ہو گی۔ اب ہی دیکھ لو کیا نتائج نکل رہے ہیں۔ پہلے تو کہا جاتا تھا۔ کہ لوگ کیوں سول نافرمانی نہیں کرتے۔ مگر مَیں سمجھتا ہوں کہ گو میں ہندو جو کچھ کر رہے ہیں۔ اس کے متعلق بھی کہا جاتا ہو گا۔ کہ وہ سول نافرمانی نہ کریں۔

اب اگر ناگپور میں ہندو اس بات پر سِوِل نافرمانی کرکے گرفتار ہوتے گئے۔ کہ مسجد کے پاس باجا نہ بجانے کا جو حکم ہے۔ اس کی خلاف ورزی کریں۔ تو آخر گورنمنٹ ان کو چھوڑیگی پھر مسلمان نافرمانی کرنا اور گرفتار ہونا شروع کردیں۔ پھر گورنمنٹ ان کو پکڑیگی۔ اس طرح گورنمنٹ کی تو وہی حالت ہوگی۔ جو کہتے ہیں۔ کہ ایک شخص کی ایک لڑکی کمہار کے گھر بیاہی ہوئی تھی۔ اور دوسری مالی کے گھر۔ جب بارش آتی۔ تو وہ کہتا اگر بارش برس گئی۔ تو ایک لڑکی نہیں۔ اور نہ برسی تو دوسری نہیں۔ پس سول نافرمانی کی وجہ سے ایسے حالات بھی پیش آسکتے ہیں۔ اور اس طرح کبھی امن نہیں ہوسکتا۔ اب اگر ناگپور میں دو فریق باری باری نافرمانی شروع کردیں۔ اگر مسلمانوں کی بات گورنمنٹ مانے۔ تو ہندو نافرمانی کریں۔ جیسا کہ کر رہے ہیں۔ اور جب ہندوؤں کی مانے۔ تو مسلمان شروع کردیں۔ تو کس طرح صلح ہو سکتی ہے ❖

جب تک مذہبی صلح نہیں ہوتی ملکی صلح بھی نہیں ہوسکتی

دوسری بات صلح کے لئے یہ ہے۔ کہ جب تک مذہبی صلح نہ ہوگی۔ ملکی صلح نہ ہوسکے گی۔ جو لوگ مذہب کو ماننے والے ہیں۔ وہ کبھی ایسی صلح میں شامل نہ ہوسکینگے۔ جس سے مذہب خطرہ میں پڑتا ہو۔ مذہبی صلح سے میری مراد یہ نہیں ہے۔ کہ سارے مسلمان ہندو ہوجائیں۔ یا سارے ہندو مسلمان ہوجائیں۔ بلکہ اس کا طریق یہ ہے۔ کہ سب مذاہب والے ایک دوسرے کے مذاہب کے بزرگوں کا احترام کریں۔ اس میں شبہ نہیں۔ کہ ہندوستان ہم کو جمع کرسکتا ہے۔ مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والاصفات سے بڑھکر ہمارے نزدیک ہندوستان کی پوزیشن نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہمیں جو تعلق ہے۔ وہ ہندوستان کے تعلق سے بہت بڑھ کر ہے۔ اور آپ سے تعلق رکھتے ہوئے بھی ہم ہندوستان سے تعلق رکھ سکتے ہیں۔ اگر آپ کا ادب اور احترام قائم نہ رکھا جائے۔ تو مسلمانوں کو کوئی چیز جمع نہیں کرسکتی ❖

ہر مذہب کے بانی اور پیشوا کی عزت کرو

اگر کہو کہ یہ صلح کیونکر ہوسکتی ہے۔ تو میں بتاتا ہوں۔ کہ اسلام نے اس کا طریق بتادیا ہے۔ اور میں اسلام کے اس طریق پر عمل کرنے والا کھڑا ہوں۔ کسی مذہب کا بانی اور پیشوا ہو۔ میں اس کی عزت اور احترام کرتا ہوں۔ اگر کوئی ہندو کہے۔ کہ کیا تم رامچندر کو مانتے ہو۔ تو میں کہونگا۔ میں ان کو نبی مانتا ہوں۔ کیوں اس لئے کہ قرآن کریم کہتا ہے۔ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ۔ کہ ہر قوم میں خدا نبی بھیجتا رہا ہے۔ پس اگر میں یہ کہوں۔ کہ رام چندر جی اور کرشن جی جھوٹے تھے۔ تو اس سے قرآن مجید غلط ٹھیرتا ہے پس قرآن مجید

نے اس جھگڑے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ کہ ہر ایک مسلمان دوسرے مذاہب کے بزرگوں کی عزت کرنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے بے عزتی کرنے کے لئے نہیں۔ یہ تو مسلمانوں کا حال ہے۔ اب میں ہندوؤں سے پوچھتا ہوں (اس پوچھنے سے یہ مراد نہیں ہے۔ کہ وہ مجھے جواب دیں۔ بلکہ یہ ہے۔ کہ وہ اپنے دلوں میں غور کریں۔ اور سوچیں) کہ کیا وہ بھی اس کے لئے تیار ہیں۔ اگر تیار ہوں۔ تو پھر ایسی مضبوط صلح ہو سکتی ہے۔ کہ جو عمر بھر نہیں ٹوٹ سکتی۔ اس کے متعلق میں یہ نہیں کہتا۔ کہ ہندو یونہی اس بات کو مان لیں۔ بلکہ یہ کہتا ہوں۔ کہ وہ عقل و فکر سے کام لیکر غور کریں۔ اور دیکھیں۔ کہ کیا ساری دنیا کے انسان خدا کے بندے نہ تھے۔ اگر تھے اور ضرور تھے۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے ہندوستان میں تو اپنے نبی بھیجے۔ اور دوسرے ممالک میں نہیں بھیجے۔ ضرور ہے۔ کہ وہاں بھی بھیجے ہوں۔ پس میں یہ نہیں کہتا۔ کہ ہندو منافقت سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اقرار کریں۔ بلکہ میں انکی عقلوں سے اپیل کرتا ہوں۔ کہ کیا یہ سچی بات نہیں۔ کہ خدا تعالیٰ نے دنیا کی ہدایت کیلئے آپ کو بھیجا۔

عیب لگانا چھوڑ دو اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں پیش کرو

اور اگر اس کے لئے بھی تیار نہیں ہیں۔ تو پھر یہ کریں۔ کہ ہندو اور مسلمان اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کریں۔ کیا کوئی ایسا مذہب ہے۔ کہ جس میں کوئی خوبی نہیں۔ بلکہ وہ اس لئے قائم ہے۔ کہ دوسرے مذاہب جھوٹے ہیں۔ ایسا مذہب جس میں کوئی بھی خوبی نہ ہو۔ ایک منٹ کے لئے بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ ہر ایک مذہب کا دعویٰ تو یہ ہے۔ کہ ساری خوبیاں اسی میں ہیں۔ اور کوئی دوسرا مذہب اس کی خوبیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ جب یہ دعویٰ ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ اس مذہب کے پیرو اس کی خوبیاں بیان نہ کریں۔ اسلام اپنے پیروؤں کو یہ حکم دیتا ہے۔ کہ ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن ان ربک ھو اعلم بمن ضل عن سبیلہ وھو اعلم بالمھتدین (۱۶-۱۲۶) اے مسلمانو حکمت کی باتیں کرو۔ اور اپنے مذہب کے احسن اصول پیش کرو۔ تمہیں دیگر مذاہب پر اعتراض کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیا تم خدا کو بتانا چاہتے ہو۔ کہ فلاں مذہب کے لوگوں میں یہ نقائص ہیں۔ خدا خوب جانتا ہے۔ کہ کون اس کے رستہ سے بھٹکا ہوا ہے۔ اور کون سیدھے رستہ پر ہے۔ پس تم اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرو۔

پس اگر ہندو صاحبان یہ نہ مانیں۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے سچے نبی تھے۔ تو یہ اقرار تو کریں۔ کہ وہ اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کریں گے۔ اور اسلام پر اعتراض نہیں کرینگے۔

اگر یہی مان لیں۔ تو اتحاد کے لئے یہ بھی کافی ہے۔ ہمارے سلسلہ کے بانی حضرت مرزا صاحب (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اس امر کو بہت عرصہ قبل پیش کیا تھا۔ مگر افسوس کہ ملک نے توجہ نہ کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ آج تک اتحاد نہ ہو سکا۔ اور نہ آئندہ اس وقت تک ہو سکیگا۔ جب تک اس پر عمل نہ کیا جائیگا ۞

کم از کم دوسرے مذہب کے بزرگوں کو گالیاں نہ دو

تیسرے اگر کوئی کہے۔ کہ یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ تو بھی ہم اتفاق و اتحاد کیلئے تیار ہیں۔ اور وہ اس اقرار پر۔ کہ ہمارے بزرگوں کو گالیاں مت دو۔ ان کو جھوٹا فریبی۔ مکار اور دغاباز مت کہو۔ نہ یہ کہو۔ کہ انہوں نے بے وقوفی اور کم عقلی کی تعلیم دی ہے۔ اور اس قسم کے ٹریکٹ نہ شائع کرو جیسے محمدؐ کا کچا چٹھا وغیرہ کے نام سے شائع کیئے گئے ہیں۔ جن میں سوائے گالیوں اور لغو اعتراضات کے کچھ نہیں ہوتا۔ ہمارا تو سب کچھ خدا اور اس کا رسول ہی ہے۔ اگر خدا اور رسولؐ کے متعلق اس قسم کی بدزبانی جاری رکھی جائیگی۔ تو مسلمان قطعاً اتحاد نہیں کر سکینگے۔ اب تو یہ حالت ہے۔ کہ اسلام اور بانیٔ اسلام کے متعلق اس قدر گالیاں دی جاتی۔ اور اتنی بدزبانی کی جاتی ہے۔ کہ ایسی ایک ماہ کی گالیوں کو جمع کرنے سے ایک سو صفحے کا رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔ ایسی حالت میں کس طرح امید ہو سکتی ہے۔ کہ اتحاد ہو جائیگا۔ اسلام کی تو یہ تعلیم ہے۔ کہ ولا تسبّوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبّوا اللہ عدوا بغیر علم (۶-۱۰۸) کہ ان بتوں وغیرہ کو گالیاں نہ دو۔ جن کو مشرک خدا کے سوا پکارتے ہیں۔ اگر تم ان کو گالیاں دوگے۔ تو وہ بھی اللہ کو گالیاں دیں گے ۞

دیکھو یہ کیسی صلح اور اتحاد کی تعلیم ہے۔ اگر اس پر عمل کیا جائے۔ تو کیسا اعلیٰ اتحاد قائم ہو سکتا ہے ۞

دوسرے مذاہب پر اعتراضات کے اصول

اس شرط کی آگے دو شقیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ مسلمہ اصول پر اعتراض نہ کیئے جائیں۔ قرآن کریم کی تعلیم ہے۔ وما قدروا اللہ حق قدرہ اذ قالوا ما انزل اللہ علیٰ بشر من شیءٍ قل من انزل الکتٰب الذی جاء بہ موسٰی نورًا وھدًی للناس تجعلونہ قراطیس تبدونھا وتخفون کثیرًا (۶-۹۲) یہودیوں میں ایسے لوگ ہیں۔ جو کہتے ہیں۔ کبھی خدا کا کلام نازل نہیں ہوا۔ مگر وہ یہ تو دیکھیں۔ کہ موسیٰ پر توریت نازل ہوئی تھی۔ گویا وہ اپنے مسلمہ اصل پر اعتراض

کرتے تھے۔ جس سے خدا تعالیٰ نے روکا ہے ٭

دوسری شق یہ ہے۔ کہ قصے کہانیوں کی بنا پر اعتراض نہ کیئے جائیں۔ بلکہ اس مذہب کے مسلّمہ اصول پر اعتراض کریں۔ اس امر کو بھی قرآن کریم نے پیش کیا ہے۔ فرماتا ہے۔ وما نرسل المرسلین الا مبشرین ومنذرین ویجادل الذین کفروا بالباطل لیدحضوا به الحق واتخذوا اٰیٰتی وما انذروا ھزوا (۱۸-۵۴) ہم نے رسول مبشر اور منذر بنا کر بھیجے۔ ان کا جو لوگ انکار کرتے۔ وہ جھوٹ بول کر کرتے۔ تاکہ دوسرے لوگ ان کو قبول نہ کریں ٭

اس سے ظاہر ہے۔ کہ اسلام کہتا ہے۔ سچا اعتراض بے شک کرو۔ مگر جھوٹ نہ بولو۔ پس اگر ایسا طریق اختیار کیا جائے۔ کہ جو بات کسی مذہب کے مسلّمہ اصول میں نہ پائی جائے۔ اس پر اعتراض نہ کیا جائے۔ اور جو پائی جائے۔ اسی پر اعتراض ہو۔ تو بہت کچھ امن کی صورت پیدا ہو سکتی ہے ٭

کسی اہل مذہب سے اسکے مذہب کا مسلّمہ اصل چھوڑنے کا مطالبہ نہ کرو۔

چوتھی بات یہ ہے۔ کہ مذہب کے لوگوں سے ان کا کوئی مسلّمہ مذہبی اصل نہ چھوڑایا جائے۔ اب ہندو مسلمانوں کو کہتے ہیں۔ کہ گائے کا گوشت کھانا چھوڑ دو۔ مگر سوال یہ ہے۔ کہ گائے اگر متبرک ہے۔ تو ہندوؤں کے نزدیک ہے مسلمان اس کا گوشت کھانا کیوں چھوڑ دیں۔ جب اسلام ان کو اسکی اجازت دیتا ہے۔ یہ مطالبہ قطعاً جائز نہیں ہے۔ ایسی حالت میں اسلام کی تعلیم دیکھو۔ مسلمانوں نے کفار سے ایک معاہدہ لکھایا۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کے ساتھ رسول اللہ کا لفظ لکھا۔ کفار نے اس پر اعتراض کیا۔ کہ ہم تو ان کو رسول اللہ نہیں مانتے۔ اس لئے یہ الفاظ نہیں ہونے چاہئیں۔ جب یہ بات رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا بے شک یہ الفاظ کاٹ دو۔ حالانکہ صحابہؓ کو ایسا کرنا گوارا نہ تھا ٭

اسی طرح ایک صحابی کہتے ہیں۔ میں نے ایک یہودی کو یہ کہتے سُنا۔ کہ خدا نے موسیٰؑ کو سب پر فضیلت دی ہے۔ یہ سُن کر مجھے غصہ آگیا۔ اور میں نے اسے مارا۔ جب رسول کریمؐ کو یہ بات معلوم ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا۔ تم نے کیوں اسے مارا۔ وہ تو اپنا عقیدہ بیان کر رہا تھا ٭

پس ہم مسلمان تیار ہیں۔ کہ ہندوؤں سے کوئی ایسی بات نہ چھڑائیں۔ جو ان کے عقیدہ میں داخل ہو۔ اسی طرح ہندوؤں کو چاہیئے۔ کہ ہم سے کوئی ایسی بات نہ چھڑائیں جو ہمارے لئے جائز ہو۔ ورنہ دیکھو کس طرح مشکل پیش آسکتی ہے۔ کل کوئی ایسا فرقہ نکل آئے۔

جو کہے کہ بکرے کی عظمت کرو۔ تو کیا ہم اس کا گوشت کھانا بھی ترک کر دیں گے۔ اسی طرح ایک ایسا فرقہ نکل آئے۔ جو کہے۔ کہ گائے کا دودھ پینا چھوڑ دو۔ کیوں اس سے اس کے بچہ کو تکلیف ہوتی ہے۔ تو کیا ہم دودھ بھی چھوڑ دیں گے ؎

درحقیقت یہ طریق ہی غلط ہے۔ کسی مذہب کے لوگ دوسرے مذہب کے لوگوں کو اپنے اصول کے پابند نہ کریں۔ ورنہ اتحاد نہیں ہو سکتا۔ اس طرح تو ہو سکتا ہے۔ کہ کل کو ہندو یہ بھی کہدیں۔ کہ ہندوستان چونکہ ہمارا متبرک ملک ہے۔ اس لئے مسلمان اس سے نکل جائیں۔ اور یہ بات یونہی نہیں کہی گئی۔ بلکہ خطرہ ہے۔ کہ ہندو کسی وقت یہ کہدیں گے۔ کیونکہ ستیارتھ پرکاش صفحہ ۱۵۹ ایڈیشن چہارم میں لکھا ہے:۔

"جو شخص وید اور عابد لوگوں کی وید کے مطابق بنائی کتابوں کی بے عزتی کرتا ہے۔ اس وید کی برائی کرنے والے منکر کو ذات۔ جماعت اور ملک سے نکال دینا چاہیئے"

اس تعلیم کے مطابق ممکن ہے کل ہندو کہدیں۔ کہ ویدوں کی تعلیم کو مان لو۔ ورنہ یہ ملک چھوڑ دو۔ پس کہاں تک کوئی ان کی باتیں مانتا جائیگا۔ بہتر یہی ہے۔ کہ مسلمان پہلے قدم پر ہی کھڑے ہو جائیں۔ اور فیصلہ کر لیں۔ وہ مسلمان جنہوں نے گائے کی قربانی ترک کرنے کی تحریک کرتے وقت اس قسم کی غلطی کی تھی۔ وہ اب زور دے رہے ہیں۔ کہ مسلمانوں کو خوب قربانی کرنی چاہیئے مگر یہ بھی ان کی غلطی ہے۔ کیونکہ ہندوؤں سے ضد کی وجہ سے یہ کہ رہے ہیں۔ اسی لئے میں نے گذشتہ عید اضحیٰ کے موقع پر اعلان کرا دیا تھا۔ کہ پہلے جو مسلمان گائے کی قربانی کرتے تھے۔ وہ بھی اب کے نہ کریں۔ تا ہندو یہ نہ کہیں۔ کہ ہمارا دل دکھانے کے لئے ایسا کیا گیا ہے۔ تو کسی مذہب کے لوگوں سے اس کا کوئی مذہبی اصل چھڑانے کی قطعاً کوشش نہیں کرنی چاہیئے ؎

ہر قوم دوسری قوم کے حقوق کا احترام کرے

اسی طرح دنیاوی امور کے متعلق اتحاد کی بعض شرطیں ہیں۔ مثلاً یہ کہ ہر قوم دوسری قوم کے حقوق تسلیم کرے۔ عجیب بات ہے۔ کہ ہندو یہ تو کہتے ہیں۔ کہ ہم مسلمانوں کو سوراج لیکر دینگے۔ مگر مسلمانوں کو ان کے چھوٹے چھوٹے حقوق نہیں دینا چاہتے۔ پھر کس طرح مان لیا جائے۔ کہ جب کالجوں میں داخلہ میونسپلٹیوں میں ممبری اور ملازمتوں میں ضروری حقوق نہیں دیتے۔ تو سوراج دینگے۔ جو ایک روپیہ نہیں دے سکتا۔ اس سے یہ توقع کیونکر ہو سکتی ہے۔ کہ ہیرے دیدیگا۔ پس یہ ضروری امر ہے۔ کہ ہر ایک قوم کے حقوق تسلیم

سے کئے جائیں۔ میرے نزدیک مسلم لیگ اور کانگریس سے ہندو مسلمانوں کے حقوق کے متعلق جو سمجھوتہ کیا تھا۔ وہ بھی ٹھیک نہ تھا۔ جہاں مسلمانوں کی آبادی کم ہے۔ وہاں تو ان کو کم حقوق دیئے ہی گئے ہیں۔ لیکن جہاں ان کی آبادی زیادہ ہے۔ وہاں بھی آبادی کے لحاظ سے حقوق نہیں دیئے گئے۔ اس لئے سب سے ضروری بات حقوق کی صحیح تعیین ہے۔

مجرموں کو بلا لحاظ فرقہ مجرم قرار دو

دوسری ضروری بات یہ ہے۔ کہ اگر کہیں ہندو مسلمان میں جھگڑا ہو۔ تو جو فریق قصوروار ہو۔ اور جس کی زیادتی ہو۔ اس کو پکڑا جائے۔ تب تک کسی قوم سے صلح نہیں ہو سکتی۔ جب تک قوم مجرم کو مجرم قرار نہ دے۔ اب یہ ہوتا ہے۔ کہ اگر کہیں مسلمانوں کی غلطی ہوتی ہے۔ تو مسلمان انکی حمایت میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور اگر ہندو غلطی کرتے ہیں۔ تو ہندو ان کی تائید میں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر شاہ آباد اور آرہ میں ہندوؤں نے مسلمانوں پر ظلم کیئے۔ تو ہندوؤں نے ان کو نظر انداز کر دیا۔ اور اگر مالابار میں مسلمانوں کی طرف سے زیادتی ہوئی۔ تو لیکچروں اور تقریروں کے ذریعہ اس کو پھیلانا شروع کر دیا۔ اس طرح اپنے مظالم بھول جاتے اور دوسروں کے یاد رکھتے ہیں۔

غربا کے حقوق کی حفاظت کی جائے

تیسری بات یہ ہے۔ کہ غربا کے حقوق کی حفاظت کی جائے۔

کانگریس میں ہر پارٹی اور خیال کے نمائندے لئے جائیں

چوتھی اور آخری بات یہ ہے۔ کہ کانگریس کو وسیع کرکے ہر قسم کے خیالات کے لوگوں کو داخل کیا جائے۔ اب تو یہ حالت ہے۔ کہ جس سے مخالفت ہو۔ اس کو کانگریس سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔ مگر یہ طریق درست نہیں ہے۔ کانگریس تب ہی سارے ملک کی قائم مقام ہو سکتی ہے۔ کہ خیالات کے اختلاف کی پروا نہ کرکے ہر قسم کے خیالات والوں کو اپنے اپنے خیالات پیش کرنے کا موقع دیا جائے۔ حتیٰ کہ ان کو بھی جن کو خوشامدی سمجھا جاتا ہے۔ اور جو گورنمنٹ کے ملازم ہیں۔ ان کو بھی شمولیت کا موقع دیا جائے۔ اگر ان کے خیالات اچھے اور مفید ہوں۔ تو کیوں نہ ان کو مانا جائے۔ ورنہ جب تک کانگریس موجودہ شکل میں ہے۔ اور جب تک اختلافات والوں کو نکالنے کی پالیسی پر عمل کیا جاتا ہے۔ اس وقت تک سارے ملک کی کانگریس نہیں کہلا سکتی۔

ان دیانتداری سے بنی تجاویز صلح پر عمل کرکے فائدہ اٹھاؤ

میرے نزدیک یہ تجاویز ہیں۔ جن سے ہندو مسلمانوں میں صلح اور اتحاد ہو سکتا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں۔ ان کے متعلق کسی فریق کو یہ کہنے کا موقع نہیں ہے۔ کہ کسی فرقہ کی پاسداری کی گئی ہے۔ یا تعصب سے کام لیا گیا ہے۔ میں نے دیانتداری سے یہ تجاویز بیان کر دی ہیں۔ آخر میں میں ان ذمہ واریوں کو یاد دلا کر جو حب الوطنی۔ اخلاق

روح۔ اور انسانیت کی طرف سے آپ لوگوں پر عائد ہوتی ہیں۔ اپیل کرتا ہوں۔ کہ ان تجاویز پر غور کرو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور دوسرے سب لوگوں کو ان راہوں پر چلنے کی توفیق دے۔ جن سے امن و امان قائم کرسکیں ؎

صلحکاری کا مذہب

(از حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام)

نہایت افسوس سے آہ کھینچ کر مجھے یہ کہنا پڑا ہے کہ اسلام وہ پاک اور صلحکار مذہب تھا جس نے کسی کے پیشوا پر حملہ نہیں کیا۔ اور قرآن وہ قابل تعظیم کتاب ہے جس نے قوموں میں صلح کی بنیاد ڈالی اور ہر ایک قوم کے نبی کو مان لیا۔ اور تمام دنیا میں یہ فخر خاص قرآن شریف کو حاصل ہے جس نے دنیا کی نسبت ہمیں یہ تعلیم دی۔ کہ لا نفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون یعنی تم اے مسلمانو! یہ کہو کہ ہم دنیا کے تمام نبیوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں یہ تفرقہ نہیں ڈالتے کہ بعض کو مانیں اور بعض کو رد کردیں۔ اگر ایسی صلحکار کوئی الہامی کتاب ہے تو اس کا نام لو۔ قرآن شریف نے خدا کی عام رحمت کو کسی خاندان کے ساتھ مخصوص نہیں کیا۔ اسرائیلی خاندان کے جتنے نبی تھے۔ کیا یعقوبؑ اور کیا اسحٰقؑ اور کیا موسیٰؑ اور کیا داؤدؑ اور کیا عیسیٰؑ سب کی نبوت کو مان لیا۔ اور ہر ایک قوم کے نبی خواہ ہند میں گذرے ہیں اور خواہ فارس میں کسی کو مکار اور کذاب نہیں کہا۔ بلکہ صاف طور پر یہ کہہ دیا کہ ہر ایک قوم اور بستی میں نبی گذرے ہیں اور تمام قوموں کے لئے صلح کی بنیاد ڈالی۔ مگر افسوس کہ اس صلح کے نبیؐ کو ہر ایک قوم گالی دیتی ہے اور حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے ؎

آپ لوگ اس دلیل کو نہیں سمجھ سکتے۔ کہ جب زمین گناہ اور پاپ سے پلید ہو جاتی ہے اور خدا کے ترازو میں بدکاریاں اور بدچلنیاں اور بیباکیاں نیک کاموں سے بہت بڑھ جاتی ہیں۔ تب خدا کی رحمت تقاضا کرتی ہے۔ کہ ایسے وقت میں کسی اپنے بندے کو بھیج کر زمین کے فسادوں کی اصلاح کی جائے۔ بیماری طبیب کو چاہتی ہے۔ اور آپ لوگ اس بات کے سمجھنے کے لئے سب سے زیادہ استعداد رکھتے ہیں۔ کیا ممکن ہے کہ جیسا کہ بقول آپ صاحبوں کے وید ایسے وقت میں نہیں آیا جبکہ گناہ کا طوفان برپا تھا۔ بلکہ ایسے وقت آیا جبکہ زمین پر گناہ کا

کوئی سیلاب نہ تھا۔ تو کیا آپ صاحبوں کی نظر میں یہ بات قیاس سے دور ہے کہ ایسے وقت میں کوئی نبی ظاہر ہو جبکہ گناہ کا تند سیلاب ہر ایک ملک میں اپنی تیز رفتار کے ساتھ جاری ہو۔

مَیں نہیں امید رکھتا کہ آپ لوگ اس تاریخی واقعہ سے بیخبر ہوں گے کہ جب ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسندِ رسالت کو اپنے وجود سے عزت دی تو وہ زمانہ ایک ایسا تاریک زمانہ تھا کہ کوئی پہلو دنیا کی آبادی کا بدچلنی اور بدعقیدگی سے خالی نہ تھا۔ اور جیسا کہ پنڈت دیانند صاحب اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں لکھتے ہیں۔ اُس زمانہ میں اس ملک آریہ ورت میں بھی بُت پرستی نے خدا پرستی کی جگہ لے لی تھی اور ویدک مذہب میں بہت سا بگاڑ ہو گیا تھا۔

ایسا ہی پادری فنڈل صاحب مصنّف میزان الحق جو عیسائی مذہب کا سخت حامی ایک یورپین انگریز ہے وہ اپنی کتاب میزان الحق میں لکھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں سب قوموں سے زیادہ بگڑی ہوئی عیسائی قوم تھی اور انکی یہ بدچلنیاں عیسائی مذہب کی عار اور ننگ کا موجب تھیں اور خود قرآن شریف بھی اپنے نزول کی ضرورت کے لئے یہ آیت پیش کرتا ہے :- ظهر الفساد فی البر والبحر یعنی جنگل بھی بگڑ گئے اور دریا بھی بگڑ گئے۔ اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ کوئی قوم خواہ وحشیانہ حالت رکھتی ہیں اور خواہ عقلمندی کا دعویٰ کرتے ہیں فساد سے خالی نہیں ہیں +

اب جبکہ تمام شہادتوں سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگ کیا مشرقی اور کیا مغربی اور کیا آریہ ورت کے رہنے والے اور کیا عرب کی ریگستان کے باشندے اور کیا جزیروں میں اپنی سکونت رکھنے والے سب کے سب بگڑ گئے تھے۔ اور ایک بھی نہیں تھا جس کا خدا کے ساتھ تعلق صاف ہو اور بدعملیوں نے زمین کو ناپاک کر دیا تھا۔ تو کیا ایک عقلمند کو یہ بات سمجھ نہیں آسکتی کہ وہی وقت اور وہی زمانہ تھا جس کی نسبت عقل تجویز کر سکتی ہے کہ ایسے تاریک زمانہ میں ضرور کوئی عظیم الشان نبی آنا چاہیئے تھا +

المقتبسات و الملتقطات

شیعوں میں نوروز کی فرضی فضیلت

نوروز کی فضیلت کے وجوہ میں چند امور جن کو تاریخ اور حساب سے جانچا جا سکتا ہے حسب ذیل ہیں :۔

(۱) اسی روز بعثت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم ہوئی۔ (۲) اسی روز خانہ کعبہ کے بتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے توڑ کر بیت اللہ کو پاک کیا (۳) اسی روز غدیر خم کے مقام میں جناب رسالتمآبؐ نے حضرت علیؓ کو خلیفہ مقرر کیا۔ (۴) اسی روز خلیفہ ثالث کی خلافت کا اختتام اور حضرت امیر المومنینؓ کی خلافت کا آغاز ہوا۔ مذہبی تقدس کے لئے یہ چار وجوہ سب میں فاضل تر ہیں۔ لہٰذا ہر ایک کو حساب کے کانٹے پر تولنے سے ظاہر ہو جائیگا کہ یہ وجوہ واقعاتی ہیں یا موضوعات۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک ۵۷۱ء میں ہوئی محمد بن موسیٰ خوارزمی (المتوفی ۲۷۲ھ) نے دوشنبہ ۲۰۔اپریل ۵۷۱ء ٹھیرائی ہے اور دوسرے اہل حساب ۴ رمئی ۵۷۱ء ثابت کرتے ہیں۔ یعنی صرف چودہ روز کا اختلاف ہے۔ پھر یہ مسلم ہے کہ ٹھیک چالیس سال عمر شریف پورے ہوتے پر اکتالیسویں سال کے پہلے روز نبوت کا آغاز ہوا۔ اب چونکہ چالیس سال قمری کے دن ۱۴۱۷۵ ہوتے ہیں۔ اس لئے ۲۰۔اپریل ۵۷۱ء سے اتنے دنوں کی تعداد ۹ رفروری ۶۱۱ء روز یکشنبہ کو۔ اور ۴ رمئی ۵۷۱ء سے ۲۳۔ فروری ۶۱۱ء روز یکشنبہ کو پوری ہوتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ آغاز نبوت ۱۰۔ فروری خواہ ۲۴ رفروری ۶۱۱ء روز شنبہ کو ہوا۔ اور ۱۰۔ یا ۲۴۔ فروری ہرگز نوروز کی تاریخ نہیں ہے نہ کبھی ہوئی۔ اور اگر روز بعثت سے مراد نزول قرآن والی تاریخ ہو تو آغاز نبوت ماہ ربیع الاول سے چھ ماہ کے بعد ماہ رمضان کے آخر والے عشرہ میں سورۃ اقراء کی پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔ تو چونکہ آغاز نبوت والا ماہ ربیع الاول فروری میں تھا اس لئے ظاہر ہے کہ نزول قرآن کی تاریخ ماہ اگست کی کسی تاریخ کو تھی۔ اور ماہ اگست سے نوروز کو کیا تعلق۔

(۲) خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کرنے کی تاریخ ٹھیک فتح مکہ والا دن ہے اور فتح مکہ رمضان ۸ھ کا واقعہ ہے اور رمضان کی تاریخ میں اختلاف صرف ۱۰ سے (۱۷) تک محدود ہے فتح مکہ کی تاریخ کو حجۃ الوداع کی روشن تاریخ کے مقابل کرکے جانچو۔ حجۃ الوداع یعنی جمعہ ۹ ر ذیلحجہ ۱۰ھ ہجری کو

محمدبن موسیٰ خوارزمی منجم کے حساب کے مطابق ۶ مارچ سنہ ۶۳۲ء تھی۔ پس ۱۰ یا ۱۱۔ رمضان سنہ ۸ھ و ۹ ر ذلحجہ سنہ ۱۰ھ روز جمعہ ۸۰۵ یا ۷۹۸ دن ہوتے ہیں۔ اور ۶۔ مارچ سنہ ۶۳۲ء سے گذشتہ زمانہ کی طرف اتنے دنوں کی تعداد ۳۳ یا ۳۰ دسمبر سنہ ۶۲۹ء پر پوری ہوتی ہے۔ اور اس تاریخ سے نوروز تک پوری سہ ماہی کا تفاوت ہے۔ اس۔ لئے بخوبی روشن ہوگیا کہ فتح مکہ کی تاریخ نوروز کے دن ہرگز نہیں تھی۔

(۳) اب غدیرخم کی تاریخ کو جانچتے ہیں۔ پہلے بقدر ضرورت غدیر خم کی جغرافیائی حالت ہمیں ظاہر کر دینا چاہیئے۔ یہ مقام حدود جحفہ میں ہے جو کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان مکہ سے ۸۲ میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور شام کی طرف سے آنیوالے حاجیوں کے لئے احرام کی میقات ہے۔ حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت اس مقام پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے تو حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر مسلمانوں کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا الست انی اولی بالمؤمنین من انفسھم من کنت مولاہ فعلی مولاہ ۔

واضح ہو کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان مسافت تقریباً دوسو سولہ (۲۱۶) میل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مسافت آٹھ شبانہ روز میں طے فرمائی ہے۔ پس روزانہ ۲۷ میل کا اوسط پڑا۔ حج کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایام تشریق بھر مکہ میں رونق افروز تھے اور ۱۴ ذیحجہ کو بقصد مدینہ منورہ روانہ ہوئے تو جبکہ محمد بن موسیٰ خوارزمی منجم کے حساب کے موافق جمعہ ۹ ر ذیحجہ کو ۶ مارچ تھی تو ۱۴ ر ذیحجہ کو ۱۱ ر مارچ ہوئی۔ پس اس رو سے آپ ۱۸ ر یا ۱۹ ر مارچ سنہ ۶۳۲ء کو مدینہ میں پہنچ چکے۔ اور اس زمانہ میں اگرچہ جولیس سیزر کے مقرر کردہ حساب کے رو سے نقطۂ اعتدال ربیعی کی تاریخ ۲۵ ر مارچ تھی لیکن مہندسین ومحاسبین کی جانچ سے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ گریگوری رول سے قبل جولیس کے حساب میں سال کی مقدار میں کچھ زیادتی رہ گئی تھی اسلئے حساب سے ثابت ہوچکا ہے کہ سنہ ۶۳۲ء میں ۲۰ ر مارچ کو نقطۂ اعتدال ربیعی یعنی نوروز کی تاریخ تھی۔ لیکن جب آنحضرت صلعم ۲۰ ر مارچ کے قبل مدینہ میں پہنچ گئے تو غدیر خم کے مقام پر جو کہ مکہ سے تین دن کی راہ پر تھا نوروز کی تاریخ یعنی ۲۰ ر مارچ کیونکر ہو سکتی ہے اور دوسرے اہل حساب نے جو ۱۴۔ مئی سنہ ۵۷۱ء تاریخ ولادت کے مطابق ثابت کی ہے اس کے رو سے حجۃ الوداع کی تاریخ ۲۰۔ مارچ سنہ ۶۳۲ء ہوتی ہے۔ اس صورت میں نوروز کی تاریخ سے چار روز بعد تک مکہ ہی میں قیام شریف تھا غدیر خم کی منزل میں ۲۶ ر مارچ کو نوروز کیونکر پڑ سکتا ہے۔ ہاں اگر ہر مہندس ومحاسب کے حساب سے الگ ہو کر حجۃ الوداع کے دن شمسی تاریخ

۱۶۔ مارچ ۶۳۲ء قرار دیا جائے تو البتہ ۲۰۔ مارچ نوروز کے دن مقام غدیر خم پر درود مبارک ہو سکتا ہے۔ لیکن اہل عرب میں نوروز کا وہم پہلے سے کبھی تھا ہی نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک کے اندر فارس میں اسلام شائع نہیں ہوا تھا کہ وہاں کے کچھ لوگ حج میں ساتھ رہے ہوں اور اس دن کو اپنی تاریخ کی مطابقت سے نوروز سمجھا اور روایت کیا ہو۔ اور حضرت سلمانؓ فارسی اگرچہ قوم فارس سے تھے مگر صدیوں سے وہ اس مذہب سے بیزار ہو کر مدتوں مسیحی رہے۔ پھر ایک زمانہ سے مدینہ کے جوار کے بعض یہود کے قبضہ میں پڑ کر عرب میں مقیم تھے ان کو نوروز سے کیا تعلق رہا جو یاد رہتا اور بیان فرماتے نیز انکی روایت بھی اس بارے میں کہیں پائی نہیں جاتی تو پھر کہاں سے غدیر خم کے روز مجوس کے نوروز کی مطابقت قوم عرب اور اصحاب رسولؐ کی زبان سے سُنی جا سکتی ہے ؟

(۴) خلیفہ ثالثؓ کی خلافت کا اختتام اور سیدنا علیؓ کی خلافت ظاہری کا آغاز بھی کسی طرح آفتاب کے نقطۂ اعتدال ربیعی پر پہنچنے یعنی نوروز کے دن ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ تاریخ الخلفاء میں علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ قتل عثمانؓ جمعہ ۱۸ ذیحجہ ۳۵ھ کو واقع ہوا اور شب شنبہ کو مغرب و عشاء کے درمیان دفن سے فراغت ہوئی اور صبح کو سیدنا حضرت علیؓ کی خلافت پر بیعت ہوئی۔ تو جب مارچ ۶۳۲ء یعنی ذیحجہ ۱۰ھ ماہ حجۃ الوداع سے ذیحجہ ۳۵ھ تک پچیس ۲۵ سال قمری کے ایام مطابقت روز ہم محسوب کرتے ہیں تو (۸۸۶۰) دن آتے ہیں جسکے شمسی سال ۲۴ - اور ۹۴ دن ہوتے ہیں۔ اور جمعہ ۱۸ ذیحجہ ۳۵ھ کو یکم جولائی ۶۵۶ء کے مطابق پاتے ہیں۔ پس روشن طور پر ثابت ہوا کہ سیدنا حضرت علیؓ کی بیعت خلافت کی تاریخ نوروز سے ایک سہ ماہی کے بعد پڑی تھی۔ پس نوروز کو مذہبی طور پر اسلام کے کسی فرقہ میں فضیلت کی کوئی وجہ نہیں ثابت ہوتی۔ قتل عثمان و خلافت علی رضی اللہ عنہما کی تاریخ مسلمانوں کے کسی طبقہ کے نزدیک ہرگز اس قابل نہیں ہو سکتی کہ اس تاریخ کو خوشی منائی جائے کیونکہ اسلام میں فتنہ واقع ہونے۔ مسلمانوں کے فیما بین تلوار پڑنے۔ اسلام کی ترقی رُکنے کی تاریخ اسی دن سے شروع ہوتی ہے اور حضرات امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کی شہادت کی بنا بھی اسی تاریخ کے فتنہ سے پڑی۔ اللّٰھم اغفرلنا ولسائر اھل الاسلام واھدنا لخالص الاسلام واتباع خیر الانام ۔ (مشرق ۲۴ اپریل ۱۹۳۴ء)

اسلام بزور شمشیر نہیں پھیلا

"مسلمان تاریخیں کہتی ہیں کہ اسلام کی عظمت تلوار کے زور پر قائم نہیں رہی تلوار نے اسلام کی حفاظت کی ہو تو ہو۔ لیکن اسلام نے انصاف اور بے انصافی کا فیصلہ تلوار کے ذریعہ نہیں کیا۔ آجتک کوئی دھرم دنیا میں محض تلوار پر زندہ نہیں رہ سکا۔ غیر مذہب کا ہوتے ہوئے بھی میں یہ بات ہیں نگر کے مسلمانوں سے ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ اسلام کی عظمت کو اس کے فقیروں صوفیوں اور علماء نے بڑھایا ہے۔ انہوں نے اپنی یا اپنے مذہب کی حفاظت تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اپنی روحانی طاقت سے کی ہے۔ اسلام کی تاریخ یہ ثابت کرتی ہے الخ" (مسٹر گاندھی اخبار پرتاپ ۱۰ مئی سنہ ۱۹۲۴ء)

مسلمانوں کو پھر مسلمان کرنیکی ضرورت

میں جانتا ہوں میرا یہ دعوت نامہ پڑھتے ہی آپ (گاندھی) کو موجودہ مسلمانوں کی اسلامی حالت سے شک پیدا ہو گا۔ کہ کیا ایسا مشتبہ اسلام کا بلاوا دیا جاتا ہے جس کا نمونہ آجکل کے مسلمان ہیں مگر فوراً ہی آپ کی نیک گمانی اور ضمیر کی ایمانی قوت آپ کا یہ شک دور کر دیگی اور آپ سمجھ لینگے کہ موجودہ مسلمان اسلام کا اصلی نمونہ نہیں ہیں۔ (حسن نظامی وکیل ۱۴ مئی سنہ ۱۹۲۴ء)

کیا ہندوؤں کو شدھی کا حق حاصل ہے

کنور چاند کرن شاردا۔ جس طرح مسلمانوں کو ہندوؤں کو مسلمان بنانے کا حق حاصل ہے۔ اسی طرح ہندو بھی شدھی کے ذریعے مسلمانوں کو ہندو بنا سکتے ہیں یا نہیں۔

مسٹر گاندھی اس مسئلہ پر میں غور کر رہا ہوں مجھے یہ شک ہے کہ زمانہ قدیم میں ہندوؤں نے دوسروں کو اپنے دھرم میں شامل کیا یا نہیں۔ (پرتاپ ۱۲ مئی سنہ ۱۹۲۴ء)

عذاب الٰہی کا اقرار وقت کے نبی سے انکار

سلسلہ احمدیہ کا سخت ترین دشمن مولوی ثناءاللہ امرتسری باوجود بیچ بیچ کے فقرے لکھنے کے آخر یہ ماننے پر مجبور ہوا۔ کہ پچھلی قوموں پر جو عذاب مختلف اوقات میں آئے اب وہ سب اکٹھے ہو کر دنیا پر نازل ہو گئے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:۔

"پچھلی قوموں میں جو جو عذاب آئے تھے وہ ایک ایک کر کے آجکل دنیا کے مختلف حصص میں آرہے ہیں۔ طاعون جو گذشتہ قوموں پر ایک دفعہ آیا تھا ہندوستان میں ہر سال آتا ہے۔ بلکہ یوں کہئیے کہ سنہ ۱۸۹۶ء سے گھر بنا بیٹھا ہے

اس کے علاوہ بھی مختلف قسم کے عذابات مختلف اوقات میں آتے رہتے ہیں۔ گذشتہ صفحہ جو واقعہ ہوا الامان الحفیظ۔ سوائے قوم عاد کے کسی دوسری قوم کے وقت معلوم نہیں ہوا تھا مگر آج ہندوستان کے ضلع ہردوئی کی تحصیل شاہ آباد میں نازل ہوا جسکی صورت یہ ہوئی کہ ہوا کا ایک بگولہ اٹھا جو بڑھتا گیا بڑھتے بڑھتے کئی میل تک پھیلا جہاں جہاں سے گذرا تباہ کرتا گیا چند دیہات بالکل تباہ ہو گئے آدمی مویشی درخت وغیرہ کا بہت نقصان ہوا جو درخت بچے رہے وہ ایسے نظر آ رہے ہیں گویا آگ میں جلے ہوئے ہیں۔ ہوا کیا تھی گویا وہی نمونہ تھا جو قوم عاد پر آئی تھی جسکی صفت یوں آئی ہے مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيمِ ۔ وہ ہوا (جو عاد پر چلی تھی) جس چیز کو چھو جاتی تھی اسے پھوکلا کر دیتی تھی " یہی کیفیت اس ہوا میں پائی گئی۔ نعوذ باللہ من غضب اللہ ؁

جب یہ مان لیا کہ عذاب عالمگیر ہے نہ صرف ایک عذاب بلکہ کئی عذاب تو وما کنا معذبین حتیٰ نبعث رسولًا کی ماتحت کیوں اس رسول کی تلاش نہیں کرتے جسکے ذریعے اتمام حجت ہوا اور جسکے ساتھ شوخی و شرارت سے پیش آنا۔ یہ مختلف انواع کے عذاب لایا۔

سنو! سنو! وہ رسول مبعوث ہو چکا ہے اور اس نے عذابوں کی قبل از وقت خبر دی مگر از شما یک تن نہ شد اسرار جو۔ ایک وقت تھا کہ طاعون اور دیگر آفات کی نسبت کہا جاتا تھا۔ کہ معمولی بیماریاں اور تکلیفیں ہیں جو آیا ہی کرتی ہیں قد مس آباءنا الضراء ۔ مگر ان کی پیہم ضربات نے آخر منوا لیا کہ یہ امراض نہیں بلکہ عذاب ہیں آفات نہیں عذابات ہیں۔ اسی طرح پہلے تو ان مولویوں اور صوفیوں اور فلاسفروں نے کہا کہ ہم مسلمان ہیں۔ ہمیں کسی مصلح کی ضرورت نہیں لیکن آخر حالات سے مجبور ہو کر خود ہی اعلان کرنے لگے۔ کہ مسلمان مسلمان نہیں رہے پھر مصلح کی تلاش ہوئی اور آخر مسٹر گاندھی کو اپنا رہنما بنایا گویا تسلیم کر لیا کہ ہم مسلمانوں میں کوئی رہنمائی کے قابل نہیں۔ لیکن اب گاندھی کے متعلق بھی کھل رہا ہے کہ یونہی سبز باغ دکھاتا رہا۔ آخر وقت آئیگا کہ دنیا اپنے حقیقی مصلح کو پہچانیگی اور ان مدعیان اسلام کو ماننا پڑے گا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے سوا کوئی ہمارا نجات دہندہ نہیں ؎

قرآن مجید کی تصدیق حال ہی میں ڈاکٹر آر ای ہوس نے دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے ایک ایسی ایجاد کی ہے کہ جو مجرموں سے خود ان کی زبانی ان کے تمام جرائم کا اقرار کرا لیگی اور اس دوا کا خوف جرائم اور فریب کاریوں کے لئے سد باب ثابت ہوگا انہوں نے اس کا نام روح صداقت رکھا ہے یہ دوا سوئی کے ذریعے سے مجرم کے بدن میں داخل کی جاتی ہے جس کے اثر سے مجرم پر نیند غالب آجاتی ہے لیکن اس کا حافظہ قوتِ سمع اور قوتِ تکلم بیدار رہتی ہے اس سے سوالات کیے جاتے

ہیں اور وہ ان کا صحیح جواب دیتا ہوا چلا جاتا ہے ڈاکٹر موصوف نے اس دوا کا مختلف اشخاص پر کامیاب تجربہ بھی کیا ہے اس خبر کو پڑھکر ہم کو بے اختیار قرآن مجید کی یہ آیت یاد آتی :- الیوم نختم علیٰ افواھھم وتکلمنا ایدیھم وتشھد ارجلھم بما کانوا یکسبون - (یٰسٓ) آج (قیامت کے دن) ہم ان مجرموں کے منہوں پر مُہر کر دینگے (کہ جھوٹ بول نہ سکیں گے) اور ان کے ہاتھ ہم سے (یہی باتیں) بولیں گے اور ان کے پاؤں انکے کرتوتوں کی گواہی دینگے ؎

امریکہ کی اس حیرت انگیز ایجاد پر تو لوگ بے چون وچرا ایمان لے آتے ہیں۔ لیکن جب اسی قسم کے ایمان کا مطالبہ ان سے کوئی آسمانی کتاب کرتی ہے۔ تو اندر سے ان کے دل تکذیب کے لئے بے قرار ہوجاتے ہیں۔ گراموفون اور فونوگراف کی بیجان لکڑیاں اور دھاتیں اگر تم سے باتیں کرتی ہیں۔ تو تم کو یقین نہیں۔ کہ تمہارے ہاتھ پاؤں کے ریکارڈ موسیقار ازل کے ہاتھوں میں ایک دن ساز کی طرح بجیں گے۔ اور بولیں گے ؎ (معارف)

واذا النفوس زوّجت

تمام دنیا کس طرح پر ایک شہر کے حکم میں ہو گئی ہے۔ اس کے لئے مندرجہ ذیل خبر پڑھیئے :-

"لنڈن کی عالمگیر شاہی نمائش کا افتتاح ہو گیا اعلیٰحضرت ملک معظم نے جو افتتاحی تقریر کی۔ اسے انگلستان کے تمام شہروں میں آلہ براڈ کاسٹنگ کے ذریعہ لوگوں نے گھر بیٹھے بادشاہ سلامت کی زبان اور اپنے کانوں سے سُن لیا۔ بعض مقامات میں دو دو ہزار آدمیوں کے مجمع کو ملک معظم کی تقریر سُنادی۔ تخمینہ لگایا گیا ہے۔ کہ ۶۰ لاکھ آدمیوں نے بادشاہ سلامت کی تقریر کو اپنے کانوں سے سُنا دوسرے روز ہوائی تار کے ذریعہ بادشاہ سلامت کا یہ تار کہ "میں نے اس وقت برطانوی سلطنت کی نمائش کا افتتاح کیا ہے" دنیا بھر میں پہنچایا گیا۔ ۸۰ سکنڈ ہی گذرے تھے کہ جواب آیا کہ آپ کا تار دنیا بھر میں پہنچ گیا ہے۔ حیرت خیز اس میں یہ بات ہے کہ بادشاہ سلامت کا پیغام ایک منٹ اور ۲۰ سکنڈ کے نہایت ہی قلیل عرصہ میں ۳۱۰۰۰ ہزار میل کی آبادی میں پہنچ گیا۔ اور ۶۰ لاکھ آدمیوں نے ایک وقت میں گھر بیٹھے بادشاہ سلامت کی تقریر کو اپنے کانوں سے سُنا" (ذوالفقار)

کیا اب بھی یہ تسلیم کرنے میں کسی کو عذر ہو سکتا ہے۔ کہ قرب قیامت کا وقت آچکا اور اب مسیح موعودؑ کے نزول کا زمانہ اس سے بعد نہیں ہو سکتا ؎

ہندوؤں میں انسانوں کے ساتھ انسانیت سے گرا ہوا سلوک

تھیا لوگوں کے علاوہ جنوبی ہندوستان میں اور بھی کئی ایک قومیں آباد ہیں جنہیں اچھوت کے ذلیل و حقیر نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان میں کی ایک پریا قوم ہے۔ اس قوم کے ہر فرد کو حکم ہے۔ کہ جب وہ راہ عامہ سے گذرے۔ تو اپنی ناپاک ذات کا اعلان کرتا ہوا گذرے۔ تاکہ اعلیٰ ذات کے ہندو بچکر نکلیں۔ اور ان پر کسی پریا کا سایہ نہ پڑے اس سے بھی گری ہوئی ایک اور قوم ہے۔ جسے ڈھیڑ کہتے ہیں۔ انہیں اپنے جھونپڑوں سے کسی کا وقت بھی باہر نکلنے کا حکم نہیں ہے۔ وہ اپنی جھونپڑیوں کے باہر زمین پر چھوٹا سا کپڑا بچھا دیتے ہیں۔ اور ادھر سے آنے جانے والے لوگ پیسہ دھیلا یا جو کچھ ان سے ہو سکے پھینک جاتے ہیں۔ شام ڈھیڑ باہر نکلتا اور اسے سمیٹ کر اپنے پیٹ کی آگ بجھاتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ ایک اور گری ہوئی ذات ہے۔ جس کا یہ کام ہے۔ کہ گلیوں اور موریوں میں رات کے گرے ہوئے جھوٹے چاول اور دال چُن چُن کر کھائے۔ اور اپنا پیٹ بھرے۔ یہ برتاؤ ہندو قوم کے لئے کیسا باعث شرم و ندامت ہے۔ اور ہندوستان کے افلاس عامہ کا کیسا کھلا ہوا ثبوت ہے۔ اور ہندوستان میں تعلیم عام کئے جانے کا کس قدر زبردست ثبوت ہے ؛

مسٹر ٹی ڈبلو آرنلڈ اپنی کتاب "پری چنگ آف اسلام" (تبلیغ و دعوت اسلام میں لکھتے ہیں) مغربی ساحل ہند کے اضلاع میں ذاتوں کا امتیاز بہت سخت ہے اس کی ایک مثال قابل غور ہے۔ ٹراونکور میں بعض نیچ قوم کے آدمیوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ برہمن سے چوہتر قدم دور رہیں اس سے زیادہ قریب آنے کی جرأت نہ کریں۔ جب راستے میں چلتے پھرتے ہوں تو پکارتے چلیں۔ بیگم جوالا پرشاد نے اپنے صدارتی خطبہ میں جنوبی ہند کے اچھوت ذاتوں کا دردناک حوالہ دیتے ہوئے فرمایا ہے۔ "بعض نیچ ذاتیں ایسی اعلیٰ ذات کے شخص کو چھونے سے ناپاک بنا سکتی ہیں۔ وہاں یہ بھی ایک گونہ قانون ملت ہے کہ لوہار۔ راجگیر۔ بڑھئی اور چمڑے کا کام کرنے والے ایک اعلیٰ ذات کے ہندو کو ۲۴ فٹ کے فاصلہ سے ناپاک کر سکتے ہیں۔ تاڑی اتارنے والے ۳۶ فٹ سے ناپاک کر سکتے ہیں اور زمین جوتنے والے ۴۸ فٹ سے اور پریا ذات والے جو گوشت خور ہیں وہ ۲۱ گز ۱۲ انچ سے ناپاک کر سکتے ہیں۔"

داعیان اسلام جب بنگال میں پہنچے تو نیچ ذات کے ہندو جو وہاں کے اصلی باشندے تھے جو ہندوؤں کی ذات سے قریب قریب خارج سمجھے جاتے تھے اور اپنے ظالم و قوی ہمسایوں کے ہاتھوں طرح طرح ذلتیں اور تکلیفیں برداشت کرتے تھے مسلمانوں کی طرف ہاتھ پھیلا کر بڑھے ان لوگوں کے

نزدیک جن میں مفلس قلاش ماہی گیر اور شکاری قزاق اور ادنیٰ کاشتکار تھے۔ اسلام ایک اوتار تھا جن کے لئے وہ اکاش سے اترا تھا ؎

دہریہ بھی ہندو ہے اگر مجھ سے ہندو عقیدہ کی تعریف کرنے کے لئے کہا جائے تو میں صرف اتنا ہی کہوں گا بلا تشدد ذرائع سے صداقت کی تلاش کرو۔ ایک شخص پرماتما میں یقین نہ رکھتا ہوا بھی ہندو کہلا سکتا ہے ہندو دھرم صداقت کی سرگرم تلاش ہے × × بلاشبہ ہندو دھرم تمام مذاہب میں سب سے زیادہ بردبار ہے۔ اس کا عقیدہ عالمگیر ہے ؎

(مسٹر گاندھی پرتاب ۳۰ ر اپریل ینگ (انڈیا)

مسلمانوں کا خلیفہ خلافت نے اپنی تازہ اشاعت میں حضرت امیر المسلمین سلطان عبد المجید کی وہ تصویر شائع کی ہے جس میں ایک شاہزادہ اور شاہزادی کی بھی تصویر ہے یہ مرقع اخبار کے سرورق پر دکھایا گیا ہے اور پھر شاہزادی اور شاہوار سلطانہ کی تصویر خاتونی شعبہ اخبار میں اس طرح دوبارہ دکھائی ہے کہ وہ حجلۂ خوابگاہ سے پردوں کو اُٹھا کر جھانک رہی ہیں جس پر تھیٹر کی ایکٹرس یا کسی رقاصہ کا دھوکا ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس وقت تک صدہا مضامین خلافت کی بحث میں شائع ہو چکے ہیں۔ بکثرت بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ باستثنائے بعض تمام ہندوستان کے مسلمان یہ تو کہتے ہیں۔ کہ شریعت حسین ہرگز خلیفہ نہ کیا جائے۔ وہ باغی۔ غدّار۔ حلف دروغی کا مرتکب۔ ظالم اور خدا جانے کیا کیا ہے۔ پھر یہ کہ وہ مطیع الکفر ہے۔ جسکے اسلام میں اشتباہ ہے۔ شاہ مصر خلیفہ نہ ہوں۔ اسلئے کہ نہ وہ آزاد ہیں۔ نہ صاحب قوّت۔ لیکن یہ کوئی نہیں کہتا کہ آخر رجحان طبعی کدھر ہے۔ بات یہ ہے کہ تمام دنیا پر نگاہ دوڑائی جائے تو کوئی اسلامی حکمران سوا دو کے آزاد نہیں ہے۔

(۱) حکومت ملیہ انگورہ۔ وہ خلافت کے فضول بوجھ کو اپنے سر سے اُتار کے پھینک چکی۔ جب اماکن مقدسہ ہی اسکے پاس نہیں رہے۔ تو خلافت کیسی۔

(۲) افغانستان۔ مگر یہ ممالک اسلامیہ سے دُور ہے اور امیر میں خلافت کو مستحکم رکھنے کی قوّت بھی نہیں ہے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ نہ کوئی موزون محل انتخاب خلافت کا ہے نہ کوئی موزون شخص اسکے لئے دنیائے اسلام میں ہے۔ غلط فہمی نے اور غلط خلافت بلانے سے ہوتا کیا ہے۔ کوئی متحدہ خلیفہ نہ پہلے تھا (سوا خلفائے راشدین کے) نہ اب ہوگا۔ نہ کانفرنس کا کوئی معقول نتیجہ نکلے گا۔ بیکار وقت ضائع کیا جائے اور مفت کا روپیہ پھینکا جائے۔ سچ یہ ہے کہ اتحاد عامہ کے ساتھ انتخاب خلیفہ کا ممکن نہیں ہے۔ اور یقیناً نہیں ممکن ہے تو اس کی کوشش ایک لغو حرکت ہے (ملاپ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

معجزہ شراب

انجیل[ف] یوحنا باب ۲ میں حضرت مسیحؑ کے ایک معجزہ کا ذکر ہے۔ لکھا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر بپتسمہ پانے کے تیسرے دن بعد حضرت مسیح کو ایک دعوت میں بلوایا گیا۔ دعوت ولیمہ تھی اور جگہ کا نام قانا تھا جو جلیل کے کنارے آباد تھا اور بیت المقدس سے قریباً ۱۳ میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ حضرت مسیح اور آپ کے حواری سب مدعو اور سب حاضر تھے۔ اچانک شراب کی ضرورت پڑ گئی۔ کیونکہ جس قدر ذخیرہ شراب مہمانوں کے لئے تھا وہ ختم ہو گیا۔ انجیل نویس لکھتا ہے۔ کہ حضرت مسیح کی والدہ حضرت مریم آپ سے مخاطب ہوئیں اور کہا کہ شراب ختم ہو گئی ہے کچھ بند و بست کرو جس کے جواب میں حضرت مسیح ایک عجیب جواب دیتے ہیں جو نہ صرف بے تعلق ہی ہے بلکہ اخلاق کے لحاظ بھی قابل اعتراض ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ "اے عورت مجھے سے تیرا کیا تعلق۔ میرا وقت ابھی نہیں آیا" سوال از آسمان جواب از ریسمان کے علاوہ اپنی والدہ سے اس طرح مخاطب کرنا یہ دنیا میں کسی ملک کا تمدن اور اخلاق اجازت نہیں دیتا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریم اپنے بیٹے کے اخلاق سے خوب واقف ہیں۔ یونہی دکھاوے

ف حاشیہ۔ "اور تیسرے دن قانائے جلیل میں کسی کا بیاہ ہوا اور یسوع کی ماں وہاں تھی اور یسوع اور اس کے شاگردوں کی بھی اس بیاہ میں دعوت تھی اور جب مے گھٹ گئی یسوع کی ماں نے اس سے کہا کہ ان کے پاس مے نہ رہی۔ یسوع نے اس سے کہا کہ اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام میرا وقت ہنوز نہیں آیا۔ اس کی ماں نے خادموں کو کہا کہ جو کچھ وہ تمہیں کہے سو کرو۔ اور وہاں پتھر کے چھ مٹکے طہارت کیلئے یہودیوں کے دستور کے موافق دھرے تھے۔ اور ہر ایک میں دو یا تین من کی سمائی تھی یسوع نے انہیں کہا مٹکوں میں پانی بھرو۔ سو انہوں نے ان کو لبالب بھرا۔ پھر اس نے انہیں کہا۔ کہ اب نکالو اور مجلس کے سردار پاس لیجاؤ۔ سو وہ لیگئے۔ جب میر مجلس نے وہ پانی جو مے بن گیا تھا چکھا اور نہیں جانتا۔ کہ یہ کہاں سے تھا۔ مگر چاکر جنہوں نے وہ پانی نکلا تھا۔ وہ جانتے تھے تو میر مجلس نے دولہا کو بلایا اور اسے کہا کہ ہر شخص پہلے اچھی مے خرچ کرتا ہے اور ناقص اس وقت کہ جب پی کے چھک گئے۔ پر تو نے اچھی مے اب تک رکھ چھوڑی ہے اور یہ پہلا معجزہ یسوع نے قانائے جلیل میں دکھایا"

کا انکار خیال کر کے اس نے نوکروں سے کہا کہ جس طرح ان کا بیٹا ان کو حکم دے ویسے ہی وہ تعمیل کریں۔ نوکر تعمیل ارشاد کے لئے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ چھ برتن پتھر کے مٹکے کہیں نزدیک پڑے ہوئے تھے اور ہر ایک میں دو یا تین سطرین کے مے تھی۔ (اگرچہ انجیل نویس نے تصریح نہیں کی کہ کیا تھا۔ تین سطرین قریباً پونے دو من پانی کا وزن ہر ایک میں تھا) حضرت مسیح نے ان نوکروں کو حکم دیا کہ ان مٹکوں میں پانی بھر دو۔ انہوں نے فوراً پانی کناروں تک بھر دیا پھر آپ نے کہا کہ اب ان مٹکوں سے نکال کر یہ چیز افسر جلسہ کے پاس لیجاؤ۔ وہ اٹھا کر لے گئے۔ افسر جلسہ نے اُسے چکھا اور دولہا کو کہا کہ دنیا کا قاعدہ ہے کہ دعوت میں پہلے اچھی شراب دیتے ہیں اور بعد میں بُری لیکن آپ نے پہلے جو شراب دی وہ ایسی اچھی نہ تھی لیکن جو اَب دے رہے ہیں۔ وہ بے نظیر ہے۔ یہ کیا بات ہے۔ یہ ہے پہلا معجزہ جو حضرت مسیح کے ہاتھوں ظاہر ہوا۔ میرا منشاء اس معجزہ کے ایک پہلو پر اس وقت روشنی ڈالنے کا ہے ؎

اوّل یہ کہ حضرت مسیح کا پہلا معجزہ اور ایسا عجیب معجزہ کہ ہیئت اشیاء کو بدل دیا۔ یہ معمولی کام نہ تھا۔ مگر کیا وجہ ہے کہ دوسرے انجیل نویس اس کے متعلق بالکل خاموش ہیں اور اس کا ذکر صرف اس انجیل میں ہے جو سب سے بعد لکھی گئی۔ اور غالباً دوسری صدی مسیح سے پہلے کسی صورت میں نہیں لکھی گئی۔ اور بعض کے نزدیک تو چوتھی صدی میں لکھی گئی۔ پھر سب سے زیادہ مشتبہ انجیل میں اس کا ذکر ہے کیونکہ اس انجیل کے لکھنے والے کی نسبت اور محققین کی رائے ہے کہ ہر ایک بات جو لکھتا ہے تو اس کو رنگ آمیزی کے ساتھ۔ اگر یہ واقعہ میں معجزہ تھا اور تمام قسم کے شک شبہ سے پاک تھا تو پھر مرقس کی انجیل اور لوقا میں اس کا ذکر ضروری تھا۔ پھر متی میں لیکن وہ اس کا ذکر تک نہیں کرتے۔ یہ بات قابل غور ضرور ہے۔

دوسرا امر جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ انجیل نویس نے ایسے رنگ میں یہ قصہ بیان کیا ہے۔ کہ گویا شراب تھی نہیں اچانک ضرورت پڑی۔ تو حضرت مسیح نے اپنے عیسوی دم سے فوراً پانی شراب انگوری کی شکل میں بدل دیا۔ حالانکہ اصل واقعہ یہ نہیں خود لکھنے والے کی قلم سے ایسے الفاظ نکل گئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ شراب مہمانوں نے پی ہے اور خوب پی ہے۔ لیکن چونکہ دعوت کا موقعہ ہے وہ اور مانگتے ہیں اس لئے اچانک زائد ضرورت پڑ گئی ہے۔ چنانچہ افسر جلسہ کے الفاظ قابل توجہ ہیں وہ فرماتے ہیں کہ دولہا میاں تم نے دنیا کے دستور کے خلاف کیا پہلے بُری شراب دی اور آخر میں اچھی۔ دنیا پہلے اچھی دیتی ہے بعد میں خراب۔ معلوم ہوتا ہے پہلے وہ شراب پی چکے ہیں۔ لیکن جو اَب ان کو پینے کو ملی ہے وہ بہت اچھی ہے اس لئے ان کا یہ ریمارک ہے۔

تیسرا امر قابل غور ہے۔ آیا واقعی پانی شراب میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ یا کچھ اور بات تھی۔ اگر پانی ہی تھا۔

جو شراب میں تبدیل ہو گیا تھا تو پھر نوکروں کو یہ حکم دینا ایک تحصیل حاصل امر تھا کہ ان مشکوں کو پانی سے بھر دو۔ کیونکہ اگر پہلے بھی ان میں پانی ہی تھا تو جو شخص یا ہستی ماہیت اشیاء بدل سکتی ہے کیا وہ مقدار میں کمی بیشی نہیں کر سکتی۔ پانی اور کیوں ڈلوایا گیا۔ یہ بچوں کا کھیل معلوم ہوتا ہے کہ مداری کہتا ہے کہ اچھا پھونک مارو بچے پھونک مارتے ہیں تو وہ ہاتھ کھولتا ہے اور روپیہ غائب۔ پھر ہاتھ بند کر دیتا ہے اور بچہ پھونک مارتا ہے تو روپیہ پھر مٹھی میں آجاتا ہے۔

چوتھا امر قابل غور ہے۔ شادی کا موقع ہے۔ جہاں ہر چیز اعلیٰ درجہ کی بافراط موجود ہے۔ خوب پیٹ بھر کر جشن منانے والے پیالے پر پیالہ شراب کا چڑھائے جاتے ہیں۔ اور جوں جوں دختر رز اندر جاتی ہے اس کی خواہش اور بڑھتی ہے۔ ھل من مزید کے نعرے مارے جاتے ہیں۔ ایسی مدہوشی کی حالت میں ان لوگوں کو کوئی چیز کڑوی اور تیز دیدو۔ ان کے لئے وہ شراب ہے اور جتنی تیز اور کڑوی ہو اتنی ہی اچھی ہے۔ بعض لوگوں نے ایسے وقت ان شخصوں کو حقہ کا پانی پلایا ہے۔ نالی کا پانی پلایا ہے یہاں تک کہ بعض لوگوں نے اپنے مدہوش آقاؤں کو پیشاب تک پلا دیا ہے۔ اور ان کو ذرا محسوس نہیں ہوا بلکہ کہے گئے ہیں کہ بہت عمدہ ہے اور لاؤ۔

پانچواں امر جو قابل غور ہے۔ وہ یہ ہے کہ چائے پینے والے جانتے ہیں کہ کیتلی میں جو حصہ چائے کا رہ جاتا ہے یعنی عرق اور پتے وہ زیادہ دیر تک رہنے کی وجہ سے زیادہ تیز ہو جاتا ہے اس لئے جن لوگوں کو وہ استعمال کرنا پڑتا ہے وہ اس میں پانی ڈال لیتے ہیں تاکہ اس کی تیزی اور کڑواہٹ کم ہو جائے۔ ایسا ہی شراب کی تلچھٹ بہت تیز ہوتی ہے یہاں تک کہ بعض لوگ تو ہمارے ملک میں اس کو خرید کر کے اور اسکو اچھی طرح صاف کر کے ماء اللحم کے طور پر اور نام پر بیچتے ہیں۔ وہ اصلی شراب سے بھی زیادہ تیز ہوتی ہے۔ غریب شراب خور اس تلچھٹ کو خرید کر اور اس میں پانی ملا کر ان عیسائی ممالک میں پیتے ہیں۔ صرف فرق اتنا ہے کہ اوپر کی شراب امراء لے جاتے ہیں نچلی ذرا صاف نہیں ہوتی میلی ہوتی ہے۔ ورنہ تیزی اور سرعت اثر میں کہیں بڑھکر۔ حضرت مسیح نے دیکھا کہ سب مخمور ہو رہے ہیں اور مانگ بڑھ رہی ہے اس تلچھٹ میں پانی ڈلوا دیا۔ تھوڑی دیر ڈھکنا بند کر کے جبکہ میل نیچے بیٹھ گئی۔ تو کہا کہ یہی پینے کے لئے دیدو۔ واقعی وہ تیزی میں کسی طرح کم نہ تھی۔ پینے والے اور پلانے والے جس حالت میں تھے وہ سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے تھے کہ پانی سے شراب بنا دی گئی۔ واقعی پانی سے شراب بنی تو تھی۔ شادیوں کے موقعہ پر جب سالن کم ہو جاتا ہے تو جس قدر سالن بچ جاتا ہے اس میں گرم پانی اور نمک مرچ ہلدی ڈال دیتے ہیں۔ اور یہ لمبا شوربہ یا مسور کی دال وقت پر کام دیجاتی ہے۔ جن لوگوں نے جلسوں کے موقعوں پر

کام کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ کس طرح ایسے اوقات میں گزارہ کرلیا جاتا ہے۔ حضرت مسیح نے بہت ہشیاری سے کام لیکر وہ وقت نکال دیا۔

چھٹا سوال یہ ہے کہ یہ دولہا صاحب کون ہیں۔ حضرت مریم کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ حضرت مسیح سے فرماتیں۔ اور حضرت مسیح کیوں تنک کر بولے اور پھر کیوں مجبور ہو کر ایسا کیا۔ حضرت مریم کا اس شادی کے موقعہ پر حاضر ہونا کس حیثیت سے تھا۔ وہ نوکروں کو کس حیثیت سے حکم دے رہی ہیں۔ اور نوکر کیوں حضرت مسیح کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے پھر رہے ہیں۔ اس کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ ۔ (خاکسار محمد دین مبلغ امریکہ)

تعلیم باب

حضرت خلیفۃ المسیح کی تحریر سے

۱۔ قیامت سے نسخ اسلام اور میرے دعویٰ کا وقت مراد ہے۔

۲۔ حشر سے باب کے دعویٰ کی اشاعت مراد ہے۔

۳۔ لقاء اللہ سے مراد باب کی ملاقات ہے۔

۴۔ برزخ سے مراد خود باب ہے۔ جو انبیاء کے درمیان برزخ ہے۔

۵۔ میری کتاب قرآن سے افضل ہے۔

۶۔ میری کتاب کے علاوہ کتب کی تعلیم و تعلم حرام ہے۔

۷۔ نکاح بلا رضاء والدین اور عدم موجودگی شاہدین ہونا چاہیئے۔ بعد میں گواہ دستخط کریں۔

۸۔ مقامات مقدسہ تباہ کیئے جائیں۔ قبور انبیاء اکھاڑی جائیں۔

۹۔ خانہ کعبہ کو گرایا جائے (لعن اللہ ھادمہا) اور اسکی بجائے شیراز میں جو اس کا مولد ہے انیس مکان بنائے جائیں۔ جن میں سے ۱۸ مساجد ہوں ان کی زمین جبراً لی جاوے۔

۱۰۔ حج شیراز میں کیا جاوے۔ عورتوں کو معاف۔ مگر رات کے وقت جائز ہے۔

۱۱۔ کوئی وصیت بغیر دستخط باب یا خلفاء باب کے قائم نہیں رہ سکتی

۱۲۔ آئندہ کے لئے ۱۹ مہینے ہونگے۔ اور ہر مہینہ کے ۱۹ دن۔ اور آخری مہینے سے پہلے ۵ دن ایام ہاء کہلائینگے۔ آخری مہینہ ۲۰ رمضان کو ختم ہوتا ہے۔ پنجۂ دزدیدہ کو عید قرار دیا ہے جو رمضان سے پہلی ہو۔

۱۳۔ روزہ طلوع فجر کی بجائے طلوع شمس سے شروع ہوگا۔

۱۴۔ ظلم کے مال کا حقدار باب ہے، اور عدلاً حاصل شدہ کا خمس باب کو ملیگا۔

۱۵۔ مردوں کے لئے ہیکل چاہیئے جو ہر وقت پہنے رہیں۔ اور عورتوں کیلئے دائرہ ہو۔ جسکے اندر "اللہ ابہیٰ" لکھا ہوا ہو۔

۱۶۔ پانچ چیزیں پاک کرتی ہیں۔ ہوا۔ پانی۔ آگ۔ مٹی۔ البیان کا پڑھنا۔

۱۷- بچہ کی ولادت کے وقت نماز پڑھنی چاہیئے۔
جس میں پانچ تکبیریں ہوں۔

۱۸- جنازہ میں ۶ تکبیریں ہوں۔

۱۹- مذہب کے مطابق قبر شیشہ کی چاہیئے ورنہ صیقل شدہ پتھر کی۔

۲۰- مُردہ کی اُنگلی میں یاقوت کی انگوٹھی ضرور چاہیئے۔

۲۱- گالی دینے والے پر ۹ مثقال سونا ڈنڈ ہے
مگر اس سے مانگنا جائز نہیں۔ خود ہی دے تو دیدے۔

۲۲- ۵۷۵ مثقال سونے پر زکوٰۃ ہے۔

۲۳- مرد سلام کہنے والا "اللہ اکبر" کہے اور جواب میں "اللہ اعظم" کہے۔ عورت سلام کہنے کے لئے "اللہ ابھیٰ" اور جواب میں "اللہ اجمل" کہے۔

۲۴- مہر ۱۹ مثقال سے ۹۵ مثقال سونے تک شہر والوں کے لئے۔ ایک قیراط زائد ہو جانے سے نکاح فسخ۔

۲۵- طلاق مرد کے ہاتھ میں ہے۔ ۱۹ مہینے پہلے اجتناب کرے۔ طلاق کے بعد ۱۹ دن تک رجوع کر لے۔

۲۶- طلاق ۱۹ دفعہ ہو سکتی ہے۔

۲۷- ریشم۔ سونا چاندی جائز۔ بلکہ یاقوت والی چاندی کی انگوٹھی ضرور پہنے۔

۲۸- ۵ سال سے زائد عمر کے طالب علموں کو پانچ سوٹے مارنے جائز ہیں۔ اگر استاد پانچ سے زائد مار بیٹھے۔ تو ۱۹ دن تک بیوی حرام۔ ورنہ ۱۹ مثقال سونا باب کو دے۔ طالب علم کو کرسی پر بٹھاوے۔

۲۹- عیدین دو ہیں۔ عید رضوان۔ عید پیدائش باب۔

۳۰- سال میں سے ایک ساری رات جاگنا چاہیئے۔

تعلیم بہاء اللہ

۱- مہینے اور روزے باب والے۔

۲- مہینوں کے نام۔ بہاء[1]۔ جلال[2]۔ جمال[3]۔ عظمت[4]
نور[5]۔ رحمت[6]۔ کلمات[7]۔ کمال[8]۔ اسماء[9]۔ عزت[10]
مشیت[11]۔ علم[12]۔ قدرت[13]۔ قول[14]۔ سائل[15]۔ شرف[16]۔
سلطان[17]۔ ملک[18]۔ علا[19]

۳- دنوں کے نام۔ سبت کا نام جلال[1]۔ اتوار کا جمال[2]
پیر کا کمال[3]۔ منگل کا فضال[4]۔ بدھ کا عدال[5]
جمعرات کا استجلال[6]۔ جمعہ کا استقلال۔

۴- عیدیں چار ہیں (۱) العید الاعظم یعنی عید رضوان عید نیروز کے تینتیس دن کے بعد ۲۹ دن تک
(۲) عید میلاد باب۔ (۳) عید میلاد بہاء۔
(۴) عید نیروز۔

نوٹ:- اور بھی دو عیدیں ہیں۔ (۱) عید درویش دو رجب کو۔
(۲) عید میلاد عباس۔

۵- نماز کل ۹ رکعت تین صبح۔ تین دوپہر۔ تین شام۔

۶- قبلہ بجائے خیبر از عکّہ

۷- جنازہ میں ۶ تکبیریں ہوں۔ جن میں اسکی کتابوں کی آیات پڑھی جاویں ورنہ جبر۔

۸- نماز میں شعر نا جائز نہیں۔

۹- ریشم کا استعمال بھی جائز ہے۔

۱۰- بیمار اور بوڑھے کو نماز معاف۔

۱۱- وضو ہاتھ اور منہ دھونے کا نام ہے اگر پانی نہ ہو۔ تو "بسم اللہ الاطہر" پانچ دفعہ کہہ لے۔

۱۲- باجماعت نماز معاف۔

۱۳- عورتوں کو حیض کے ایام میں نماز و روزہ معاف۔ صرف بسم اللہ طلعۃ الجمال وغیرہ پڑھ لیا کریں۔

۱۴- سفر سے جہاں اتریں۔ وہاں ایک سجدہ کر لیا کریں۔ ورنہ سبحان اللہ وغیرہ کہہ لیں۔

۱۵- روزہ۔ بیمار۔ مسافر۔ حاملہ۔ دودھ پلانے والی کو معاف

۱۶- عید ایام حاء قائم۔

۱۷- روزانہ منہ ہاتھ دھوکر ۹۵ دفعہ "اللہ ابھیٰ" کا وظیفہ کرنا ضروری ہے۔

۱۸- قتل۔ زنا۔ غیبت۔ جھوٹ حرام ہیں۔

۱۹- جس میت کی اولاد نہ ہو۔ تو اس کا ترکہ بیت العدل کو ملیگا۔ اولاد ہو۔ تو ایک ثلث بیت العدل کو۔

۲۰- رہائشی مکان لڑکوں کو ملے نہ لڑکیوں کو۔

۲۱- جہاں ۹ بھائی ہوں بیت العدل چاہیئے زائد ہوں تو کوئی حرج نہیں۔

۲۲- حج آیندہ عکّہ کا کیا جائے۔

۲۳- حج مردوں پر فرض عورتوں کے لئے جائز۔

۲۴- کوئی کسب کرنا ضروری ہے۔

۲۵- ہاتھ چومنا حرام ہے۔

۲۶- سر کے بال نہ منڈوائے جائیں۔

۲۷- چور جلاوطن اور قید کیا جائے ماتھے پر داغ دیا جائے۔

۲۸- سونے چاندی کے برتن جائز ہیں۔

۲۹- لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم جبراً ہو۔

۳۰- زانی و زانیہ ۹ مثقال سونا بیت المال میں داخل کر دیں

۳۱- زخم اور مار کی دیت ہے۔

۳۲- مہینہ میں ایک دفعہ دعوت فرض ہے۔

۳۳- دو سے زیادہ بیویاں ناجائز ہیں۔

۳۴- ماں باپ کی رضا شادی کے وقت ضروری ہے

۳۵- سفر پر جاتے وقت بیوی کے لئے مدت مقرر کر جائے۔ اگر کوئی مجبوری پیش آجائے۔ تو اس کو اطلاع دے ورنہ وہ ۹ ماہ کے بعد نکاح کر سکتی ہے۔

۳۶- اگر میاں بیوی میں تنازع ہو۔ تو ایک سال تک صبر کرلے۔

۳۷- طلاق تین ہیں۔ ایک ایک ماہ کے بعد۔

۳۸- ایام عدۃ کا خرچ مرد کے ذمہ نہیں۔

۳۹- غلام بنانا حرام ہے۔

۴۰- سو مثقال پر ۱۹ مثقال زکوٰۃ ہے

۴۱- صرف ماں سے شادی حرام ہے۔ چنانچہ محمد علی ابن سے جواز شادی پر مصر ہے۔

۴۲۔ دین کے متعلق سوال جائز ہے۔

۴۳۔ قبر اگر پتھر کی بھی نہ ہو۔ تو لکڑی کی ہو۔

۴۴۔ دفن ۵ ریشمی کپڑوں میں۔ ریشمی نہ ہوں تو سوتی ہی ہوں۔ پانچ نہ ہوں۔ تو ایک ہی ہو۔

۴۵۔ لاش شہر سے ایک گھنٹہ کے فاصلہ سے زائد نہ لیجائی جاوے

۴۶۔ سوال کرنا جائز ہے۔ مانگنے والے کو نہ دیا جائے۔

۴۷۔ اسباب مکان ۱۹ ماہ کے بعد سب بدل دیا جائے اگر طاقت نہ ہو۔ تو معاف۔

۴۸۔ گرمی میں دن میں ایک دفعہ سردیوں میں تین دفعہ پاؤں دھوئے ؟

۴۹۔ داڑھی منڈوانی جائز ہے۔

۵۰۔ مقتول کی دیت ایک سو مثقال سونا ہے۔

شمہ از حدیث بخارا

برادر محمد امین خاں بخارائی نے اپنے سفر بخارا کے واقعات اور سات زندانوں کے حالات کی تفصیلی کیفیات کا ابھی تک۔ خاکہ بھی نہیں دکھایا۔ نقش و نگار کا وقت تو بعد میں آتا ہے۔ مجھ گوشہ نشین زاویۂ خمول کو اپنے دیدار پُر انوار کی جلوہ ریزیوں سے اکثر بہرہ اندوز فرماتے رہتے ہیں لیکن ان کی خاموش طبعی نے کبھی حدیث راز و نیاز سے لب آشنا کیا اور نہ لطف اندوزی نظارۂ جمال نے مجھے کبھی فرصت دی کہ داستانِ شوق کا کوئی الماس پارہ آویزۂ گوش بناؤں البتہ آج انہوں نے سنایا کہ پہاڑ کے دامن میں ایک تیز ندی کے کنارے صعوبت سفر سے زخمی پاؤں بیٹھ گئے۔ ایک شخص نمودار ہو کر مستفسر حالات ہوا۔ مختصر عرض کیا کہ جانِ من عزم بخارا نے کند۔ اس پر اس نے آنے والی مشکلات کا ذکر کیا اور سرحد پار ہونے کا نتیجہ مار پیٹ۔ قید و زنداں اور قتل و ہلاکت بتایا۔ ؎ چوں بخارا مے روی دیوانۂ۔ لائق زنجیر و زنداں خانۂ۔ میں نے جو کچھ سنایا۔ اس کا خلاصہ یہی تھا ؎ تو مکن تہدیدم از کشتن کہ من۔ تشنۂ زارم بخونِ خویشتن۔ اس شخص نے کہا میں تمہیں ندی سے پار اتار دوں میں راستے سے واقف ہوں مگر تم خطرناک جگہ جا رہے ہو اس لئے میں تمہارا خون اپنے سر نہیں لینا چاہتا۔ برادر موصوف نے کہا۔ میں اپنے ساتھ اپنا رہنما رکھتا ہوں مجھے کسی کی رہنمائی کی ضرورت نہیں۔ اور ندی کے پانی میں پاؤں ڈالدیا ؎ رو نہاد آں عاشق خوناب ریز۔ دل تپاں سوئے بخارا گرم و تیز۔ برادر موصوف کہتے ہیں کہ آخر جب میں نے سواد بخارا دیکھا۔ تو مجھ پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو گئی ؎ چوں سواد آں بخارا را بدید۔ در سواد غم بیاضے شد پدید۔ منزل مقصود پا کر سب تکلیفیں بھول گئیں کیونکہ جو حکم اپنے امام و مطاع کا تھا کہ تمہیں بہر حال بخارا پہنچنا ہے اسے پورا کرنے کی توفیق مل گئی۔ ؎

خوشتراز ہردو جہاں آنجا بود۔ کہ مرا با تو سرو سودا بود۔

اس قصہ کے سننے کے بعد جب مثنوی مولانا روم کے یہ اشعار میں نے پڑھے۔ تو بہت ہی لطف آیا۔ آپ بھی اس سے حصہ لیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا مولانا روم نے یہ اشعار اسی برادر فداکار کے لئے لکھے تھے:۔

دمبدم در سوز بریاں مے شوم ۔ ہرچہ بادا باد آنجا مے روم
گرچہ دل چوں سنگ خارا مے کند ۔ جان من عزم بخارا مے کند
گفت او را ناصحے کاے بے خبر ۔ عاقبت اندیش۔ گرداری ہنر
درنگر پس را بعقل و پیش را ۔ ہمچو پروانہ مسوزاں خویش را
چوں بخارا مے روی دیوانۂ ۔ لائق زنجیر و زنداں خانۂ
مے کند او تیز از بہر تو کارد ۔ او سگ قحط است و توانباں آرد
گفت اے ناصح خمش کن چند پند ۔ پند کم دہ زانکہ بس سخت ست بند
سخت ترشد بند من از پند تو ۔ عشق را نشناخت دانشمند تو
آں طرف کہ عشق مے افزود درد ۔ بو حنیفہ شافعی درسے نکرد
تو مکن تہدیدم از کشتن کہ من ۔ تشنۂ زارم بخون خویشتن
آزمودم مرگ من در زندگی است ۔ چوں رہم زیں زندگی پائندگی است
اقتلونی اقتلونی یا ثقات ۔ انّ فی قتلی حیاتٌ فی حیات
رو نہاد آں عاشق خونابہ ریز ۔ دل تپاں سوئے بخارا گرم و تیز
ریگ آمو پیش او ہمچوں حریر ۔ آب جیحوں پیش او چوں آبگیر
آں بیاباں پیش او چوں گلستان ۔ مے فتاد از خندہ اش چوں گلستاں
چوں سواد آں بخارا را بدید ۔ در سواد غم بیاضے شد پدید
ہر کجا تو با منی من خوشدلم ۔ در بود در قعر گورے منزلم
خوشتراز ہر دو جہاں آنجا بود ۔ کہ مرا با تو سرو سودا بود

(بقیہ از صفحہ ۲۷۷)

واذا الجبال سیرت جب پہاڑ چلائے جائینگے اس کی ایک نشان دیکھنے کے لئے مندرجہ ذیل نوٹ پڑھیئے

نواحات کے گاؤں والے گاؤں چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں۔ موتا چل اور گرینڈا میں ایک گاؤں سے قریب ۲ میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ کر چل رہا ہے۔ گاؤں والے اس خوف سے کہ کہیں وہ سب دب کر نہ مر جائیں گاؤں چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں۔ یہ پہاڑ سیرا نوایدا کے سلسلہ میں ہے۔ اور برسات کے بعد اس نے چلنا شروع کیا ہے۔ یہ موتا چل کی طرف چل رہا ہے۔ زمین میں بڑے بڑے غار رونما ہو رہے ہیں۔ قرب و جوار کے باغ اور مکانات زیر زمیں بہتے چلے جا رہے ہیں۔ اگر پہاڑ ذرا اور چلا تو دریائے موتا چل اور قریب کے گاؤں نیست و نابود ہو جائینگے۔ (رباب لاہور ص۲ کالم ۲۔ ۱۹ مئی ۱۹۲۴ء)

اچھوتوں میں ہمارے فرائض ہم ذیل میں اچھوت ذاتوں کا نقشہ تعداد دیتے ہیں:۔

آسام ۱۰ لاکھ۔ بنگال ۹۰ لاکھ۔ بہار و اڑیسہ ۸۰ لاکھ۔ بمبئی ۲۸ لاکھ۔ سی پی و بہار ۳۳ لاکھ۔ مدراس ۶۳ لاکھ ۷۷ ہزار۔ پنجاب ۲۸ لاکھ ۹۳ ہزار۔ یوپی ۹۰ لاکھ۔ بڑودہ ایک لاکھ ۷۷ ہزار۔ وسط ہند ۱۱ لاکھ ۴۰ ہزار۔ گوالیار ۵ لاکھ۔ حیدر آباد ۲۳ لاکھ ۳۱ ہزار۔ راجپوتانہ ۲۲ لاکھ ۷۶ ہزار۔ ٹراونکور ۱۲ لاکھ ۲۰ ہزار۔ میزان ۶ کروڑ ۳۶ لاکھ ۸۰ ہزار۔

یہ وہ بندگان ہیں جو حیوانوں سے بھی زیادہ ذلیل سمجھتے ہیں اگر اسلام کی آغوش میں لانے کا سامان کر دیا جائے۔ تو یہ انسانیت کے تمام حقوق پا سکتے ہیں۔ احمدیت ہی ہے جس نے قوموں کو اٹھانا ہے۔ پس میرے بھائیو! ہمت کرو۔ اور اپنی وسعت کار اور قلت فرصت دیکھ لو۔ خدا تعالیٰ آپ کو توفیق بخشے ۔

یہ رسالہ ہر انگریزی مہینے کی پانچ تاریخ قادیان دارالامان ضلع گورداسپور پنجاب سے شائع ہوتا ہے

ریویو کی توسیع اشاعت کی تحریک

(اُردو) ریویو آف ریلیجنز قادیان کی نسبت حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰة والسّلام فرماتے ہیں :-

"مَیں پورے زور کے ساتھ اپنی جماعت کے مخلص جوانمردوں کو اس وقت توجّہ دلاتا ہوں کہ وہ اس رسالہ کی اعانت و مالی امداد میں جہاں تک ان سے ممکن ہے۔ اپنی ہمّت دکھلاویں "

اور پھر فرماتے ہیں:-

"اگر اس رسالہ کی اعانت کے لئے اس جماعت سے دسؔ ہزار خریدار اُردو یا انگریزی کا پیدا ہو جائے۔ تو یہ رسالہ خاطر خواہ چل نکلے گا۔ اور میری دانست میں اگر بیعت کرنے والے اپنی بیعت کی حقیقت پر قائم رہ کر اس بارہ میں کوشش کریں۔ تو اس قدر کچھ بہت نہیں۔ بلکہ جماعت موجودہ کی تعداد کے لحاظ سے یہ تعداد بہت کم ہے۔"

میرے سیّد و مولیٰؑ نے جماعت سے دسؔ ہزار خریدار کا مطالبہ اس وقت کیا جبکہ جماعت کی تعداد لاکھ سے زیادہ نہ تھی۔ تو کیا اب چھ سات لاکھ جماعت کی موجودگی میں یہ درخواست کہ کم از کم ایک ہزار خریدار ریویو کو دیا جائے۔ ہاں اس رسالے کے لئے جس میں نہایت تحقیقی و علمی مضامین اسلام و احمدیت کی تائید اور غیر مذاہب کی تردید میں شائع ہوتے ہیں۔ جس میں اسلام کے اندرونی فرقوں پر ان کی غلطیاں واضح کی جاتی ہیں۔ اور اسلام کے دشمنوں پر حُجّت ملزمہ قائم کر کے صراطِ مستقیم دکھایا جاتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کا نمونہ دکھانے والی قوم کے سامنے کچھ ایسی درخواست ہے جو پوری نہ ہو؟ ہرگز نہیں۔ مجھے یقین رکھنا چاہیئے۔ کہ ایک ہزار خریدار رسالہ ریویو کو ضرور دیا جائیگا کیونکہ موجودہ صورت میں خریداروں کی اتنی کمی ہے کہ خرچ آمد سے زیادہ ہے۔ حالانکہ ریویو آف ریلیجنز کی خاطر حضرت خلیفة المسیحؑ نے اپنا رسالہ تشحیذ الاذہان بند کرا دیا۔ تاکہ جماعت کی توجّہ بجائے دوؔ رسالوں کے ایک رسالہ کی طرف پوری پوری ہو سکے۔ پس دوست خود خریدار بنیں۔ اور اگر پہلے سے خریدار ہیں۔ تو دوسروں کو خریدار بنائیں ؏

قیمت سالانہ صرف تین روپے (سے؎ ر) اور طلباء کے لئے اڑھائی روپے (عہ؎ ر)

(ناظر دعوۃ و تبلیغ۔ قادیان)